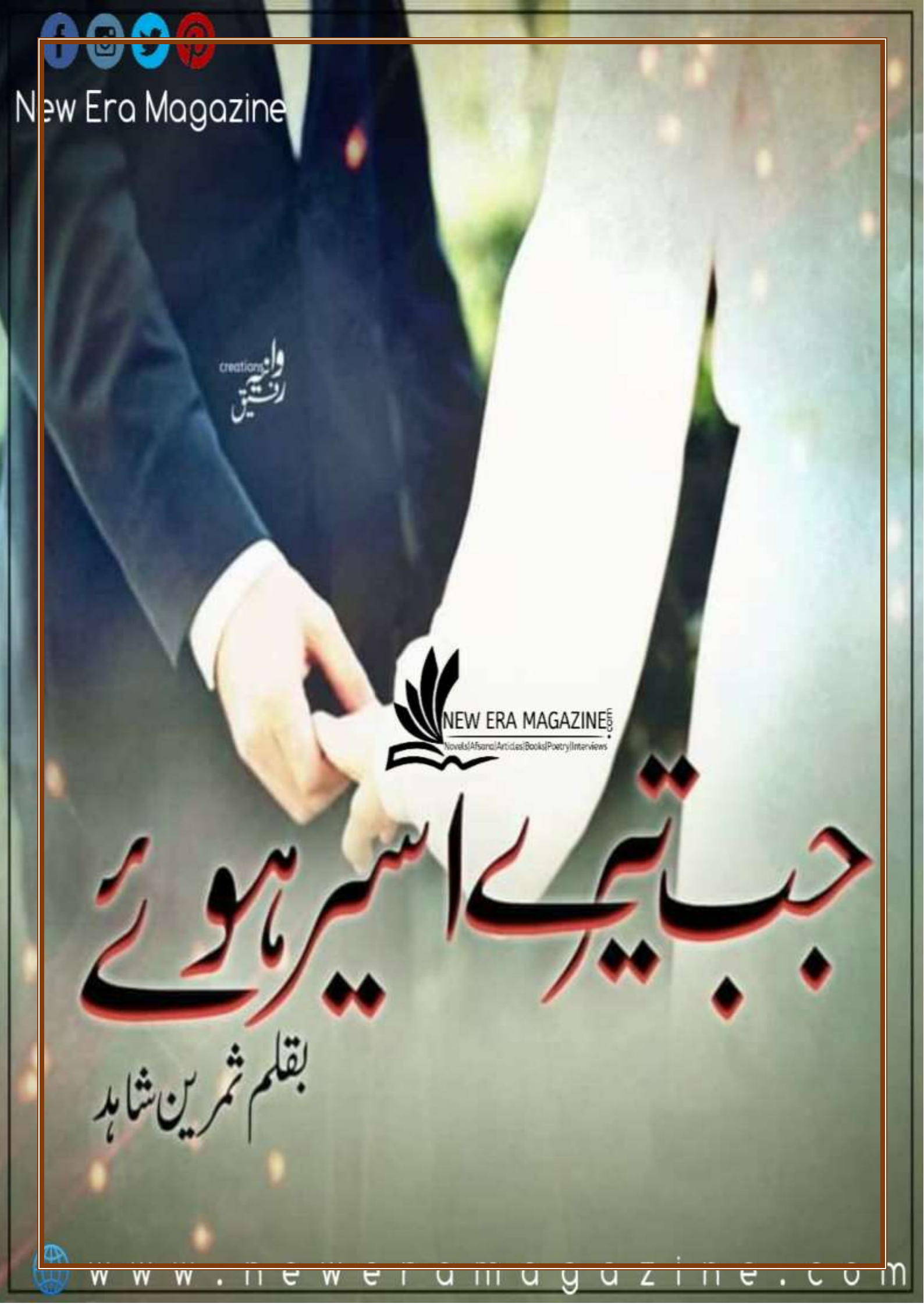

New Era Magazine
creations
NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews
جب تیرے اسیر ہوئے
بقلم ثمرین شاہد
www.neweramagazine.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(مکمل ناول)

جب تیرے اسیر ہوئے

از ثمرین شاہد

ہماری ویب میں شایع ہونے والے ناولز کے تمام جملہ و حقوق بمعہ مصنفہ کے نام محفوظ ہیں۔ ہمیں اپنی ویب نیو ایرا میگزین(New Era Magazine)کیلئے لکھاریوں کی ضرورت ہے۔اگر آپ ہماری ویب پر اپنا ناول، ناولٹ،افسانہ،کالم،آرٹیکل،شاعری،پوسٹ کروانا چاہیں تو اردو میں ٹائپ کر کے مندرجہ ذیل ذرائع کا استعمال کرتے ہوئے ہمیں بھیج سکتے ہیں۔

(Neramag@gmail.com)

(انشااللہ آپ کی تحریر ایک ہفتے کے اندر اندر ویب پر پوسٹ کر دی جائے گی۔مزید تفصیلات کیلئے اوپر دیئے گئے رابطے کے ذرائع کا استعمال کر سکتے ہیں۔

شکریہ ادارہ: نیو ایرا میگزین

☆☆☆☆☆

بارش زور و شور سے برس کر تھمی تو گرمی کی شدت میں کمی واقع ہوئی اور موسم کافی خوشگوار ہو گیا۔آس پاس کئی شاندار بنگلے بنے تھے جو اس بات کی گواہی دے رہے تھے کہ یہ علاقہ شہر کا مہنگا ترین علاقہ ہے جہاں امراء بستے ہیں۔وہ جو گنگ سوٹ میں ملبوس پینٹ کی دونوں جیبوں میں ہاتھ ڈالے دوڑتا ہوتا جیسے ہی اس علاقے میں داخل ہوا اس کی رفتار دھیمی پڑ گئی۔اب اس کے قدم ایک بنگلے کے جانب بڑھنے لگے جو خوبصورتی کا منہ بولتا ثبوت تھا شاید یہ ہی اُس کی منزل تھی جس کے باہر حسن ویلا کا بورڈ جگمگا رہا تھا، چوکیدار نے جیسے ہی گیٹ سے باہر جھانکا اُس پر نظر پڑتے ہی جلدی سے گیٹ کھول دیا اور کھڑا اُس کے اندر آنے کا انتظار کرنے لگا۔وہ رف سے حلیے میں سادہ سی ٹی شرٹ اور پینٹ میں ملبوس اپنے ہاتھ جیبوں میں ڈالے سیٹی بجاتا مین گیٹ سے اندر داخل ہوا، چوکیدار نے اس کے اندر آتے ہی دروازہ بند کر دیا اور اپنی مخصوص جگہ گیٹ سے کچھ فاصلے پر رکھی کرسی پر جا کر بیٹھ گیا البتہ اب اُس کا رخ بنگلے کے اندرونی حصے کی طرف تھا۔جب سے اس نے ہوش سنبھالا تھا آج تک ایسی کوئی بارش نہیں تھی جس میں وہ بھیگا نہ ہو۔آج بھی صبح صبح جو گنگ کرتا وہ اس تیز بارش میں نکلا اب دو تین گھنٹے گزرنے کے بعد بارش میں بھیگ کر گھر لوٹا تھا۔برسات کے اس موسم سے تو جیسے اسے محبت تھی.....ایک عجیب سا لگاؤ، جو اسے آس پاس کی چیزوں سے بالکل

بیگانہ کر دیتی۔ وہ بیمار ہو یا سخت سردی کا موسم بارش میں بھیگنا اسکا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ کپڑے تبدیل کر کے وہ اپنے کمرے کے ساتھ بنی سیڑھیوں پر بیٹھا مسکراتے ہوئے انہماک سا کچھ لکھ رہا تھا، اس کے ہاتھ میں سرخ رنگ کی ایک ڈائری تھی جبکہ ساتھ والی سیڑھی پر ٹرے میں چائے اور گرم گرم پکوڑے رکھے تھے جو اُس نے آتے ہی تائی امی سے کہہ کر اپنے لیے بنوائے تھے۔ ڈائری لکھنے کی یہ عادت اس کی بچپن کی تھی جب کبھی وہ بہت خوش ہوتا یا اُداس وہ اپنے جذبات اس میں لکھ دیتا اور اس طرح وہ ہلکا پھلکا محسوس کرتا تھا۔ اُس نے چند سطر ہی لکھے تھے تبھی وہ دبے پاؤں وہاں آ کر بیٹھ گئی تھی اور سامنے رکھی پلیٹ میں سے پکوڑے اٹھا کر منہ میں ڈالتے ہوئے تجسس سے بھرپور لہجے میں اُس سے گویا ہوئی۔

"کیا لکھ رہے ہو؟" جبکہ وہ اس کی آواز سُن کر چونکا تھا پھر جھٹ سے اپنی ڈائری بند کر کے اُسے سائیڈ پر رکھ کر اُس کی جانب مڑا۔

"تم کب آئی.....؟" آواز میں حیرانی تھی۔"

اور یہ میرے ہیں..... سمجھی تم!" اپنے پکوڑوں پر اُسے ہاتھ صاف کرتے دیکھ کر اس نے اُسے غصے سے گھورا پھر اس کے ہاتھ پر ہلکی سی چپٹ رسید کرتا ٹرے اٹھائے سیڑھیوں سے اتر گیا۔ وہ اس کے پیچھے لپکنے کے غرض سے اٹھی تھی لیکن اس

کی ڈائری پر نظر پڑتے ہی اس کے لبوں پر مسکراہٹ رینگ گئی، وہ اپنی ڈائری سب کی نظروں سے بچا کر رکھتا تھا آج تک کوئی بھی اس تک پہنچ نہیں پایا تھا۔اس نے کئی بار اس کے کمرے میں چوری چھپے گھس کر اس کی الماری میں اسے تلاشنے کی بھی کوشش کی پر وہ اس کے ہاتھ کبھی بھی آ سکی تھی ہر بار اُسے مایوس ہو کر لوٹنا پڑا تھا۔بس اس لیے دن بدن اسکا تجسس بھی بڑھتا گیا۔آج موقع تھا اور اس نے موقعے سے فائدہ اٹھاتے بنا تاخیر کیے ڈائری کو وہاں سے اٹھالیا اور اپنے دُوپٹے سے اچھی طرح چھپانے کے بعد وہ سیدھی اس تک آئی۔جو اب اپنے کمرے کے بالکل سامنے بنائی گئی اس چھوٹے سے باغیچے میں لگے پھولوں کو دیکھ رہا تھا۔یہ بھی اُس کے شوق میں شامل تھا جو اس نے بچپن میں ضد کر کے بنوایا تھا اب یہ حصہ پہلے کے مقابلے میں کافی ہرا بھرا تھا۔اُسے ان پھولوں کے ساتھ مصروف دیکھ کر اس نے خاموشی سے وہاں سے نکل جانا چاہا۔ ”عافی.....“ پر اس کے پکارنے پر اسکے قدم رک گئے۔اُس کا دل زور سے دھڑکنے لگا اُسے لگا شاید وہ اس کے ہاتھ میں اپنی ڈائری دیکھ چکا ہے۔اپنے چہرے کے تاثرات کو نارمل رکھتے ہوئے اس نے پوچھا۔ ”کیا ہوا.....؟“، ”یار یہ چائے ٹھنڈی ہو گئی ہے دوسری بنالاؤ۔“ اس کا رخ اب بھی ان پھولوں کے جانب تھا البتہ وہاں ٹیبل پر رکھی ٹرے کی جانب ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔۔وہ سر اثبات میں ہلاتے ہوئے

اگے بڑھ گئی۔"رکو....."چند قدم کا فاصلہ طے کیا تھا اُس نے دوبارہ سے پکارا تو عافی کے جیسے حلق میں جان اٹک گئی۔اگر اُسے معلوم ہو جاتا کہ اس نے اس کی ڈائری کو ہاتھ بھی لگایا تو وہ یقیناً سخت رد عمل ظاہر تھا۔"اب کیا ہے؟"چہرے پر مصنوعی مسکراتے سجائے وہ ڈرتے ڈرتے بولی ورنہ اس کی حالت غیر ہو رہی تھی۔"اسے تو لیتی جاو۔"ایک نظر ٹرے پر ڈال کر وہ دوسری اس پر ڈالتا،اپنے ہاتھ جھاڑتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا جبکہ عافی نے آنکھیں موندے سکون کا سانس لیا اور فوراً ٹرے لے کر کچن کی طرف بڑھ گئی۔

وقفے وقفے سے ہوتی بارش کے باعث سڑکوں پر جگہ جگہ پانی ٹھہر گیا تھا وہ ناک منہ چڑھائے اپنے کپڑے کو سمیٹتی سنبھل سنبھل کر قدم رکھ رہی تھی کہ کہیں وہ گندے نہ ہو جائیں۔آج اگر اُس کا سینٹر جانا ضروری نہ ہوتا تو وہ اس خراب موسم میں کبھی بھی باہر نہ نکلتی اوپر سے اس کی دوست نمرہ نے اُسے یہی ملنے کا کہہ کر نا جانے اب کہاں غائب تھی۔سڑک عبور کر کے دوسری طرف کنارے پر جا کر کھڑی ہو گئی اور اپنے ہاتھ میں بندھی گھڑی میں ٹائم دیکھا،پانچ بجا رہے تھے۔

"پتا نہیں کہاں مر گئی ہے....؟ "غصے سے کہتی وہ سر جھٹک کر اس کا انتظار کرنے لگی ۔یہ سڑک اس کے گھر سے کچھ فاصلے پر قائم تھی، سامنے ایک چائے کی چھوٹی سی دکان تھی جس میں موسم کی خرابی کے باعث رش نہ ہونے کے برابر تھا۔آج معمول کے برعکس اکا دکا لوگ ہی نظر آرہے تھے۔اس نے آس پاس کا جائزہ لیتے ہوئے دوبارہ ٹائم دیکھا جو کچھ زیادہ ہی سست روی سے سرک رہا تھا۔

"کسی کا انتظار کر رہی ہیں آپ؟"

وہ آس پاس تلاشتی نگاہوں سے دیکھنے کے بعد کچھ آگے بڑھی ہی تھی کہ اسے اپنے عقب سے مردانہ آواز سنائی دی۔پہلے تو وہ چونکی پھر پلٹ کر دیکھا تو سامنے ایک دراز قد کا نوجوان کھڑا تھا جس نے اپنے بائیں ہاتھ کو پینٹ کی جیب میں ڈال رکھا تھا جبکہ دائیں ہاتھ سے چھتری پکڑے اُسے ہی سوالیہ نظروں سے گھور رہا تھا۔

اس نے اس کے نفاست زدہ حلیے پر ایک نگاہ ڈالی جو کہیں سے بھی لفنگوں کی مشابہت نہیں رکھتی تھی۔پر اس کا یوں پوچھنا اُسے بالکل بھی اچھا نہیں لگا اس لیے وہ بناء کچھ بولے سر جھٹک کر اُس سے چند قدم کے فاصلے پر جا کر کھڑی ہو گئی۔مگر اب اُس لڑکے نے سیٹی بجانا شروع کر دیا تھا۔نمرہ پر رہ رہ اُسے غصے آرہا تھا جو اُسے یہاں بلا کر نا جانے کہاں رہ گئی تھی اُسے گالیوں سے نوازتی وہ دل ہی دل میں اس کے آجانے کی دعا کرنے

لگی۔سنسان سڑک پر اس لڑکے کی حرکت دیکھ کر اُسے خوف محسوس ہوا۔اس نے آج سے پہلے کبھی اُسے نہیں دیکھا تھا۔اوپر سے برسات کا یہ موسم.....اسے قطعی پسند نہیں تھا البتہ وہ کھڑا اس کے چہرے کے بدلتے تاثرات کو نوٹ کر رہا تھا۔

آپ نے بتایا نہیں؟" مقابل سے کوئی جواب نہ پا کر چند منٹ بعد اس نے دوبارہ استفسار کیا گیا تھا۔

"کیوں.....آپ کون ہیں.....؟اور مسئلہ کیا ہے.....،بولیں!،میں یہاں کھڑی کسی کا انتظار کروں یا کھڑی کھڑی ہی مر جاؤں۔آپ اپنے کام سے کام رکھیں سمجھیں مسٹر"!

اس اجنبی شخص کی ڈھٹائی دیکھ کر اسے حد سے زیادہ حیرانی ہوئی،اندر سے وہ ڈری ہوئی تھی پر چہرے پر خوف ظاہر کیے بغیر تیوری چڑھائے سخت لہجے میں گویا ہوئی تھی

۔

''ایسکیوزمی۔۔چلا کیوں رہی ہیں آپ؟''اس کے چیخنے سے وہ گھبرا گیا تھا،وہ اب سامنے کھڑی خونخوار نظروں سے اُسے گھور رہی تھی جیسے ابھی کھا جائے گی۔

اس سے پہلے وہ کچھ کہتی مقابل کا موبائل زور زور سے بجنے لگا، موبائل نکال کر آنکھیں سُکڑ کر نام پڑھنے کے بعد کال سننے کے لیے وہاں سے اگے بڑھ گیا تو اس نے سکون کا سانس لیا۔

ایک گھنٹے کی لگاتار ڈرائیونگ کے بعد اس نے بہتی ٹریفک کے ہمراہی میں وہاں سے صفیہ خالہ کے گھر تک کا سفر طے کیا تھا۔ جو کبھی بمشکل بیس بائیس منٹ کا سفر ہوا کرتا تھا۔ وقت کے ساتھ ساتھ ہر چیز میں جدت آئی تو سڑکوں پر چلتی گاڑیوں کا ہجوم بھی بڑھ گیا تھا۔ گاڑی ایک عمارت کے سامنے جھٹکے سے رکی تھی۔ سیٹ بلیٹ سے خود کو آزاد کرتا وہ باہر نکل آیا اس کے چہرے سے بے زاری جھلک رہی تھی، سست روی سے اس نے خود کو زبردستی گھسیٹ کر دروازے تک لانے کی زحمت کی۔ دل تو کر رہا تھا کہ یہاں سے ہی لوٹ جائے اور سارا دن دوستوں کے ساتھ گزار کر ماما سے کہہ دے کہ " ہو آیا خالہ کے گھر سے، اب خوش!"، لیکن وہ اپنی ماں کی عادتوں سے واقف تھا، ان کے نہ ختم ہونے والے سوالات کے درمیان وہ الجھنا نہیں چاہتا تھا اس لیے دماغ میں ابھرتے خیالات کو تھپکی دے کر سلانے کی سعی کی اور قدم قدم چلتا دروازے تک پہنچا، دو، تین بار بیل بجانے کے بعد جا کر دروازہ کھولا گیا تھا، سامنے ایک نفیس سی

خواتین کھڑی تھیں،ان کے ماتھے پر جو شکن تھی اسے دیکھتے ہی ان کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی،وہ خود بھی انھیں منٹوں میں پہچان گیا تھا،وہ بلاشبہ اس کی صفیہ خالہ ہی تھیں آخری بار اُس نے انھیں بارہ سال قبل دیکھا تھا جب اس کی فیملی پاکستان میں ہوا کرتی تھی۔اس نے سلام کرنے میں پہل کی جس کا جواب مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ دیا گیا تھا۔

''ابشام۔۔۔۔کتنے بڑے ہو گئے ہو تم! '' لہجے میں خوشی اور حیرانی کے ملے جلے تاثرات تھے پھر وہ اسے اپنے ساتھ اندر لے آئیں۔وہ جانتا تھا اس کی آمد کی خبر اس کی ماما(انیلا بیگم) پہلے ہی دے چکی تھیں۔وہ اندر آیا تو اسے ایک خوشگوار حیرت ہوئی باہر سے دیکھنے میں گھر بالکل سادہ سا تھا لیکن اندر کی سجاوٹ قابل تعریف تھی۔وہ ان کے پیچھے چلتے ہوئے لاؤنج میں داخل ہوا تھا البتہ خالہ اسے بیٹھنے کا کہہ کر خود وہیں موجود سنگل صوفے پر بیٹھ گئی تھیں۔سلسلہ کلام حال چال پوچھنے سے شروع ہوا پھر ادھر اُدھر کی باتیں کی اور آٹھ کر اس کے لیے چائے بنانے کچن میں چلی گئیں،وہ ہاتھ میں ہاتھ پھنسائے بیٹھا تھا،وہاں کی سجاوٹ دیکھ کر داد دیے بغیر نہ رہ سکا،ہر چیز نفاست اور سلیقے سے اپنی جگہ رکھی خوبصورتی کا نمونہ پیش کر رہی تھی،دیواروں پر لگیں یہ پینٹنگ گھر کے افراد کے باذوق ہونے کا پتا دیتی تھیں،ان میں سے ایک شاہکار پر اس کی نظر

ٹھہر سی گئی،اس کا دل کیا جا کر اسے قریب سے دیکھے اور اس نے بالکل ایسا ہی کیا۔اُسے آرٹ ورک میں کافی دلچسپی تھی،وہ آرٹ گیلری یا ایگزیبشن سے مختلف نوعیت کی پینٹنگ خرید تا رہا تھا،اس کے کمرے اور گھر کے مختلف حصے میں مختلف آرٹسٹ کے شاہکار لگے تھے۔

"تمہیں پسند آئی؟ "صفیہ بیگم نے اسے پینٹنگ کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے دیکھا تو چائے کی ٹرے میز پر رکھتے ہوئے استفسار کیا۔ "جی "،وہ اس قدر ان میں کھویا ہوا تھا کہ وہ کب لاؤنج میں آئیں اسے پتا ہی نہیں چلا،ان کے پوچھنے پر وہ چونک گیا پھر سوالیہ نظروں سے ان کی جانب دیکھ لہجے میں تجسس سموئے پوچھا "بہت خوبصورت آرٹ ورک ہے اسے کون لے کر آیا....خالہ جان.....؟"۔اس پینٹنگ میں سفید رنگ کے اعلیٰ نسلی گھوڑے صحرا میں سرپٹ دوڑ رہے تھے جب کہ اس کے عقب میں چھوٹے چھوٹے خیمے بنے تھے۔ "پچھلے سال عنبر اپنے اسٹاف کے ساتھ ٹرپ پر گئی تھی وہاں کی آرٹ گیلری سے لے کر آئی ہے،اس طرح کے مزید ہیں،اُس کے ایسے ہی شوق ہیں بیٹا.....چائے پی لو ورنہ ٹھنڈی جائے گی۔ "صفیہ بیگم چائے کپ میں انڈیلتے ہوئے تفصیل سے آگاہ کر رہی تھیں،وہ اثبات میں سر ہلاتا اپنی جگہ پر آ کر بیٹھ گیا تھا۔

"جلیبیاں..... کیا بات ہے..... خالہ جان..... آپ کو یاد تھا کہ مجھے جلیبیاں پسند ہیں۔ میز پر رکھی جلیبیوں پر نظر پڑتے ہی انھیں ندیدے پن سے دیکھتے حیرت کے ملے جلے تاثرات لیے بولا اور اٹھا کر کھانے لگا" صفیہ بیگم نے اُسے خفگی سے گھورا گویا کہنا چاہتی ہو کہ میں اب اتنی بھی بوڑھی نہیں ہوئی جو تمہاری پسند ناپسند ہی بھول جاؤں پھر اسے دیکھ کر کھلکھلا کر ہنس دیں۔ جلیبیوں پر اپنا ہاتھ صاف کر کے چائے سے معذرت کرتا وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا، اسے اپنے کسی دوست کے ساتھ ایک تقریب میں جانا تھا اور اُسے دیر ہو رہی تھی۔

" اچھا اب میں چلتا ہوں خالہ جان، اپنا خیال رکھیے گا..... بہت جلد میں ماما کو بھی اپنے ساتھ لا کر آؤں گی۔" یہاں آنے سے پہلے اس نے جس بے زاری کا مظاہرہ کیا تھا صفیہ بیگم کی اپنائیت دیکھ کر اسے اتنی ہی خوشی ہوئی تھی۔ صفیہ بیگم گیٹ تک چھوڑنے کے لیے اس کے ساتھ چل رہی تھیں، لاؤنج ختم ہوتے ہی وہ دونوں محو گفتگو باغیچے کی طرف بڑھے تھے کہ اچانک ابشام کی کسی سے ٹکر ہو گئی اس تصادم سے وہ گرتے گرتے بچا تھا۔

"دیکھ کر چل....."سامنے کھڑی لڑکی پر نظر پڑتے ہی اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں،اور الفاظ دم توڑ گئے ورنہ وہ مقابل کو آنکھیں کھول کر چلنے کی نصیحت کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

کچھ پل وہ دم سادھے اُسے دیکھے گیا۔

"تت....تم.....اوہ تو میرا پیچھا کرتے.....تم یہاں تک پہنچ گئے؟"وہ پہلے ہی بائیک سوار کی وجہ سے غصے میں تھی جس نے اپنی تیز رفتاری کے باعث اس کے کپڑے داغ دار کر دیے تھے،بڑبڑاتے ہوئے دروازے کو لاک لگا کر اپنے کپڑے جھاڑتے چل رہی تھی جہاں مٹی کے بدنما داغ بن گئے تھے اس نئے افتاد پر تلملا اٹھی۔ یہ وہی شخص تھا جس کا سامنا اُسے چند گھنٹے قبل ہوا تھا۔اُسے سامنے دیکھ کر ساری لحاظ و تمیز بالائے طاق رکھ کر اس نے غصے سے ہکار بھری۔

"کیا.....؟ابشام کو اس کے دماغی حالت پر شک ہوا،جو شرمندہ ہونے کے بجائے اسے ہی سنا رہی تھی۔

وہ گھر میں بیٹھے بیٹھے اچھا خاصہ بور ہو گیا تھا،آج جب بارش تھمی تو اپنی کار لے کر خالی سڑکوں پر دوڑانے لگا،اچانک کار انجن گرم ہونے کے باعث رک گئی جسے ٹھیک ہونے میں یقیناً وقت لگتا،اس لیے گاڑی لاک کر کے وہ ٹہلتے ہوئے کافی دور نکل آیا

تھا کہ آسمان دوبارہ برس پڑا، بھیگنے کے ڈر سے وہ ایک گھنے نیم کے درخت کے نیچے آکر کھڑا ہو گیا اور بارش کے تھمنے کا انتظار کر رہا تھا، نادانستہ طور پر اس کی نظر اس پر گئی تھی، وہ چند منٹ قبل ہی وہاں آکر کھڑی ہوئی تھی اور بار بار پریشانی کے عالم میں ٹائم دیکھ رہی تھی۔اس نے اندازہ لگایا کہ شاید وہ کسی گاڑی کے انتظار میں کھڑی ہے، بارش کی وجہ سے آمد و رفت نہ ہونے کے برابر تھی، اس موسم میں گاڑی ملنا کافی مشکل ہوتا ہے وہ پچھلے کچھ دنوں میں یہ جان گیا تھا، اپنی بات کی تصدیق کے لیے اس نے سرسری طور پر جاننا چاہا لیکن مقابل سمت خاموشی برقرار رہی۔بنا جواب دیے وہ اس سے چند قدم کے فاصلے میں جا کر کھڑی ہو گئی تھی.....جیسے اسے کوئی چھوت کی بیماری ہو۔

پھر بھی اس کی پریشانی دیکھتے ہوئے اس نے اپنی طبیعت کے پیش نظر دوبارہ سے پوچھا تھا لیکن اس کی عنایتوں کے جواب میں وہ ہتھے سے ہی اکڑ گئی.....اور کسی اسکول کی استانی کی طرح اسے نصیحت کرنے لگی جیسے وہ اپنی کلاس کا سب سے بد تمیز بچہ ہو۔جس ماحول میں وہ اپنی زندگی کے دس بارہ سال گزار کر آیا تھا وہاں یہ سب عام سی بات تھی ۔وہ اکثر ٹرانسپورٹ کے انتظار میں پھنسے لوگوں کی مدد کرنا اپنا فرض سمجھتا تھا، جن میں بوڑھے، نوجوان، بچے سب ہی شامل ہوتے تھے، یہ بات اس کے اخلاق کے زمرے میں آتی تھی پر وہ یہ بھول گیا تھا وہ اس وقت فاران میں نہیں پاکستان میں کھڑا کسی سے

پوچھ رہا ہے، وہ بھی ایک لڑکی ذات سے..... مشرقی لڑکیاں یوں مردوں کا خود سے یوں بلاوجہ گھلنا ملنا قطعی پسند نہیں کرتیں جب کہ مرد حضرات بھی اپنے گھر کی عورتوں کو لے کر بہت حساس ہوتے ہیں، کوئی ان کی ماں بہن سے بدتمیزی کرے یا مراسم بڑھانے کی کوشش کرے تو ان کے ہاتھ پیر توڑنے میں دیر نہیں لگاتے۔اسے چیختا دیکھ کر بوکھلاہٹ کا شکار ہوا تھا، زندگی میں پہلی بار کسی مخلوق سے اس کا پالا پڑا تھا، وہ خاصہ نرمی برتتے اس کے بولنے کا انتظار کر رہا تھا تبھی اس کا موبائل بجا، اور وہ یہاں چلا آیا۔وہ پچھلے ایک ہفتے سے ٹال مٹول کر رہا تھا اس بار انکار نہیں کر سکتا تھا ورنہ وہ اس کی ماما اس سے ناراض ہو جاتیں۔خالہ کے پیار بھرے انداز نے اسے بہت متاثر کیا تھا پر یہ کیسی مصیبت تھی،. جو اپنے طرف سے اس کے لیے غلط بیانی کر رہی تھی، وہ کھڑا سوچ رہا تھا۔

"ہوش کیوں اڑ گئے ہیں تمہارے، بولو.....، کیا کر رہے ہو یہاں؟ "

اسے خاموش پا کر وہ مزید بھڑکی تھی۔پھر چٹکی بجاتے ہوئے اپنے الفاظوں پر قدرے زور دیتے سختی سے لب بھینچ گئی۔

"یا اللہ!، یہ میں کس مصیبت میں پھنس گیا "وہ دھیرے سے بڑبڑایا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے عنبر!، پاگل ہو گئی ہو کیا؟، گھر آئے مہمان سے کوئی اس طرح سے بات کرتا ہے، تم اس سے کب ملی....اور یہ کیا بکواس ہے، ہوں.....یہ تمہارا پیچھا کرتے یہاں کیوں آئے گا؟"

صفیہ بیگم اپنی بیٹی کی اس حرکت پر پریشان ہوئی تھیں، اسے ابشام پر لڑتا دیکھا تو آگے بڑھ کر اسکا رخ اپنی جانب کیا اور پوچھنے لگیں۔ لہجے میں ناگواری نمایاں تھی۔

"ماما.....آپ اسے نہیں جان!....."

"چپ کر جاؤ تم.....میں اسے بہت اچھی طرح جانتی ہوں، یہ انیلا خالہ کا بیٹا ہے.....ابشام بدر.....اور یہاں مجھ سے ملنے آیا تھا.....سمجھی تم"۔ وہ اس کی بات کاٹتے ڈپٹ کر اسے چپ کروا چکی تھیں البتہ عنبر ساکت نظروں سے اسے چند ثانیہ دیکھے گئی جو اب اپنی ہنسی روکے کھڑا اس کم عقل جذباتی لڑکی کے فق ہوتے چہرے سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ چند منٹ میں اسے کیا سے کیا بنا دیا گیا تھا اس نے سوچ کر جھرجھری لی۔

"اب معافی مانگو اس سے۔" انھوں نے عنبر کو حکم دیا تھا۔

ابشام کی مسکراہٹ اسے زہر لگی پر اپنی ماما کے کہنے پر بے دلی سے اپنی اس حرکت کی معافی مانگ کر اُسے گھوری سے نوازتے پیر پٹکتے وہاں سے چلی گئی۔

"سوری بیٹا۔۔پتا نہیں.....اس لڑکی کا میں کیا کروں،ہر وقت غصے میں رہتی ہے۔تم پلیز اس کی کسی بھی بات کا بُرا مت ماننا۔"

صفیہ بیگم عنبر کی اس حرکت پر شرمندہ ہوئیں البتہ ابشام اپنا سر نفی میں ہلاتے ہوئے اگے بڑھ کر ان کے گلے لگ گیا۔

"افففف خالہ جان۔۔سوری کس بات کی،آپ مجھے شرمندہ کر رہی ہیں،اب کہا تو میں آپ سے بات نہیں کروں گا۔"

ابشام نے ان سے الگ ہوتے ہی مصنوعی خفگی ظاہر کی

"نہیں کہوں گی.....اب خوش"صفیہ بیگم اس کے گال کو پیار سے کھینچتے ہوئے مسکرا کر بولی اور اسے رخصت کیا۔

.....

انیلا بیگم اور صفیہ بیگم دونوں جڑواں بہنیں تھیں۔ان کے والد سلیم احمد ایک بہت بڑے تاجر تھے۔جن کی شادی ان کی تایا زاد زہرہ نعیم سے ہو گئی تھی۔زہرہ اظہر نعیم(زہرہ کے بڑے بھائی) کی چھوٹی بہن تھیں۔نعیم اللہ ایک کار حادثے میں انتقال کر گئے تب سے اظہر نے ہی اپنی بہن کی دیکھ بھال کی اور شادی کے کچھ سال بعد ان کے گھر دو جڑواں بچوں کی پیدائش ہوئی تو سلیم صاحب نے رشتہ داروں،عزیز و اقارب میں ڈھیر ساری

مٹھائی تقسیم کروائی، خوشی سے وہ پھولے نہیں سمارہے تھے، انھیں ہمیشہ سے بیٹی کی خواہش تھی اور اللہ نے انہیں ایک ساتھ بیٹیوں سے نوازا تھا، جب دونوں کچھ بڑی ہوئیں تو ان کا داخلہ شہر کے مہنگے ترین اسکول میں کروایا، بچپن سے جوانی تک انھیں کسی چیز کی کمی نہیں ہونے دی تھی۔ پڑھائی مکمل ہوتے ہی ان کی شادی کر کے وہ اپنے آخری فرض سے بھی سبکدوش ہو گئے۔ ان کی شادی کے چند سال بعد وہ شدید علالت کے بعد اس دنیا سے رخصت ہو گئے سلیم صاحب کی وفات کے بعد ان کی والدہ زہرہ بی بی بالکل تنہا رہ گئی تھیں، اس لیے اظہر نعیم نے انھیں اپنے پاس حیدر آباد بلا لیا۔

جب ابشام بارہ سال کا تھا، اس کے والد (بدر علی) کو بزنس کے سلسلے میں ملک سے باہر جانا پڑا، اس لیے ان کی فیملی بیرون ملک البتہ صفیہ بیگم یہیں پاکستان میں اپنی فیملی کے ساتھ رہتی تھیں ان کے دو بچے تھے، جنید اور عنبر افشاں۔ جنید عنبر سے چار سال بڑا تھا اور آج کل بیرون ملک میں ہوتا تھا۔

.....

عافی نے کچن میں آتے ہی ڈائری کو ڈوپٹے سے آزاد کیا اور اسے اونچی جگہ پر رکھ کر چولہے پر چائے چڑھا دی، کچھ ہی دیر میں چائے تیار تھی جسے اب کپ میں انڈیل رہی تھی تبھی وہ آواز لگاتا کچن میں داخل ہوا۔ "عافی.... یار چائے کا کیا بنا؟ "

"بس لے کر ہی آ رہی تھی۔ "چائے کا کپ اُسے تھما کر سیلپ کی جانب سرسری نگاہ ڈالتی آہ بھر کر رہ گئی اس کی موجودگی میں وہ ڈائری نہیں پڑھ سکتی تھی، البتہ وہ وہیں کھڑا چائے کے گھونٹ بھرتا انہماک سے بولا۔ "تم نے میری ڈائری دیکھی ہے کیا؟"

اس کے باہر جاتے قدم شل ہو گئے، اتنے دنوں بعد بالآخر آج جا کر ڈائری اس کے ہاتھ لگی، پر افسوس اسے پڑھ نہیں پائی تھی۔

نن۔۔۔ نہیں تو۔۔۔۔، کیا پتا چچی جان نے اٹھالی ہو۔۔۔۔۔۔ تم نے پوچھا ان سے؟ خود پر قابو پاتے ہکلاتے ہوئے جھوٹ کہا اور دوڑتے ہوئے باہر چلی آئی۔

"کہاں تھی تم؟ میں کب سے ڈھونڈ رہا ہوں۔ "عمیر کی جیسے ہی اس پر نظر پڑی وہ ڈگ بھرتے اُس تک آیا تھا۔

"کچن میں تھی، کیوں کیا ہوا؟ "عافی کو حیرانی ہوئی۔ "تایا جی تمہیں بلا رہے تھے۔ مجھے بہت ضروری کام سے باہر جانا تھا، تمہاری وجہ سے لیٹ ہو گیا۔"

وہ کہتے ہی آگے بڑھ گیا۔

"کہاں جا رہے ہو۔۔۔۔۔۔ یہ تو بتاتے جاؤ۔ "اسے عجلت میں قدم اٹھاتے دیکھ کر وہ پوچھے بغیر نہ رہ پائی۔

"آ کر بتاتا ہوں "بناء مڑے وہ کہتا پورچ سے گاڑی نکالنے لگا۔

"ایک تو اس گھر میں سب ایک سے بڑھ کر ایک ہیں۔"

سر جھٹکتے وہ بڑبڑائی تھی پھر سیڑھیاں چڑھتی اس مکان کے سب سے کونے میں بنے اس کمرے کی طرف بڑھ گئی، جو اس کے ماما بابا کا کمرہ تھا۔

دروازے پر آہستگی سے دستک کر کھڑی اپنے باپ کی شفیق چہرے کو دیکھنے لگی۔

"وہاں کیوں کھڑی ہے بابا کی جان، اندر آجاؤ بیٹا۔" اس کے بابا رولنگ چیئر پر بیٹھے اخبار کا مطالعہ کر رہے تھے، اسے کھڑے دیکھ کر اخبار سائیڈ پر رکھتے ہوئے مسکرا کر بولے ۔ "کل تو آپ کو میری یاد ہی نہیں آئی" اس نے آتے ہی لاڈ سے ان کے ساتھ لگتے ہوئے ان سے شکوہ کیا۔

"افففف۔ آفس میں کام ہی اتنے تھے، لیکن جب میں آیا تو آپ سو رہی تھیں۔" اس کے خفا ہو جانے کے ڈر سے نبیل صاحب نے اپنی صفائی پیش کی۔

"ہمم..... معاف کیا۔" اس نے ایک ادا سے سوچنے کی اداکاری کی اور آنکھوں میں شرارت لیے معافی دے دی تو اس کی حرکت پر وہ زور سے ہنسے۔ انھیں اپنی یہ معصوم سی پری دل و جان سے عزیز تھی۔ بچپن سے لے کر آج تک وہ اس کی ہر خواہش، ہر ضد پوری کرتے آئے تھے۔ دونوں باپ بیٹی ایک دوسرے کے بغیر رہنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ دونوں میں سے کوئی ایک بھی تکلیف میں ہوتا دوسرے

کی جان پر بن آتی۔وہ اب آکر بیڈ پر بیٹھ گئی تھی۔ ”پڑھائی کیسی چل رہی ہے آپ کی ؟"اس سے پڑھائی کے متعلق پوچھا۔وہ جانتے تھے ان کی بیٹی پڑھائی میں ماشاءاللہ بہت اچھی ہے اور اس بات کا انھیں فخر تھا۔

"بہت اچھی بابا!اس نے خوشی خوشی بتایا۔اسے وہیں چھوڑ کر کچھ یاد آنے پر وہ اٹھ کر اسٹڈی روم میں گھس گئے،کچھ دیر میں جب وہ باہر آئے تو ان کے ہاتھ میں ایک خوبصورت سا پین تھا۔

”واؤ!یہ آپ میرے لیے لائے ہیں! “نبیل صاحب کے ہاتھ سے قلم لیتے اس نے خوشی کا برملا اظہار کیا۔کچھ دیر ان سے بات کرنے کے بعد وہ وہاں سے سیدھا کچن میں آئی تھی۔ڈائری اسے اپنی جگہ پر مل گئی جہاں وہ رکھ کر گئی تھی۔کچن میں رکھے اسٹول پر بیٹھی ڈائری کو کھولا۔پہلے صفحے پر خوبصورت لکھائی میں life and me “”” جگمگا رہا تھا۔

اس نے گہری سانس لیتے ہوئے ورق الٹ دیا۔

محبت یوں بھی ہوتی ہے

ہمیشہ چپ رہا جائے

کبھی کچھ نہ کہا جائے

حفاظت ایسے کی جائے

کہ جیسے راز ہو کوئی

کسی پر سوز سینے میں

کہ جیسے ساز ہو کوئی

چھپایا یوں اسے جائے

جو دل میں سیپ کے موتی

کوئی کہہ دے اُسے جا کر

یہ بھی انداز الفت ہے

طریقِ مہر چاہت ہے

یہ بھی رمزِ محبت ہے

کوئی کہہ دے اُسے جا کر

محبت یوں بھی ہوتی ہے

محبت یوں بھی ہوتی ہے

)نامعلوم (

واہ.....محبت سے بھرپور ایک بہترین کلام .....

اسی راز کو جاننے کے لیے تو یہ ڈائری چڑائی ہے.... مجھے معلوم ہے جب تمہیں پتا لگے گا ڈائری میں نے اٹھائی تھی تو تم غصہ کرو گے, لیکن کوئی بات نہیں تب تک میں تمہارا یہ راز جان جاؤں گی۔

اسے تصور میں لا کر وہ دھیرے سے بولی اور مسکرا کر ورق پلٹ دیا۔

یکم جولائی

"انسان ساری زندگی محنت کرتا ہے اور جب اُسے اس محنت کا پھل ملتا ہے تو وہ جیسے ہواؤں میں اڑنے لگتا ہے اس کے پیر زمین پر نہیں ٹکتے ہیں۔ آج میرے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا ہے، بالآخر میں نے اپنا تعلیمی سال مکمل کر لیا مجھے ایم بی کی ڈگری مل ہی گئی خوش ہونا تو بنتا ہے اور تمہیں پتا ہے بابا نے مجھے اس خوشی میں اپنی کار تحفے میں دی۔ وہی کار جسے وہ کسی کو ہاتھ بھی نہیں لگانے دیتے تھے۔ وہ اب میری ملکیت ہے.....

بس اب میں کسی اچھی جاب کے لیے اپلائے کروں گا، بابا چاہتے ہیں میں ان کا بزنس سنبھالوں پر میری بھی اپنی کوئی خواہش ہے۔ اچھا اب مجھے بہت نیند آ رہی ہے دوست! ، جلد ملیں گے۔

"کبھی مجھ سے تو اتنے پیار سے بات نہیں کی، ہر وقت غصہ ناک پر رہتا ہے، سڑو کہیں کا۔ "وہ بڑبڑا کر رہ گئی۔

اسے اچھی طرح یاد تھا جس دن اسے ڈگری ملی تھی وہ بے حد خوش تھا،اس کی کامیابی کی خبر بڑوں کو ہوئی تو سب نے مل کر اسے تحائف کے ساتھ بہت سی دعائیں دیں تھی، اُس روز چچا جی نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھرتے ہوئے اپنی کار کی چابی جو انھوں نے سال پہلے لی تھی اسے تھمادی تھی،اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا وہ اس کی آنکھوں میں پھوٹے ست رنگ دیکھ سکتی تھی،اسے لگا تھا کہ وہ اپنے ساتھ سب کو کہیں باہر گھومنے لے جائے گا پر وہ اکیلے ہی دیر رات کر گھومتا رہا تھا۔

اپنے سر پر ہلکی سے چپٹ لگاتی اس سوچ کے تحت وہ جلدی سے ورق پلٹ دی کہ کہیں کوئی آنہ جائے۔

"مجھے کب.....کس لمحے.....اُس سے محبت ہو گئی میں نہیں جانتا،پر یہ اس قدر شدت اختیار کر گئی ہے کہ اب اُس کے بغیر جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔بس بہت ہوا،میں مزید چُپ نہیں رہ سکتا،بہت جلد ہی اُس سے اپنی محبت کا اظہار کر دوں گا۔پر کیا وہ بھی مجھ سے اتنی محبت کرتی ہے جس شدت سے میں اُسے چاہتا۔۔۔۔

اگے روشنائی پھیلی ہوئی تھی،وہ یقیناً اس کے آنے سے پہلے لکھی گئی تھی،عافی پر نظر پڑتے ہی اس نے ڈائری بند کر دی تھی۔

"حد ہے.....اب میں کیسے پتا کروں وہ کس سے محبت کرتا ہے۔"

اتنی مشکل سے آج جا کر ڈائری اس کے ہاتھ لگی تھی پر اگے کے صفحات خالی دیکھ کر اس کا چہرہ اُتر گیا تھا۔اس نے نفی میں سر ہلاتے مایوسی سے ڈائری الٹ پلٹ کر دیکھا، یہ بالکل نئ تھی۔

اپنی بے بسی پر اُسے رونا آیا.....اب اگے کیا کرنا ہے وہ سوچ رہی تھی تبھی کسی کے پیروں کی جاپ سنائی دی۔اس نے آہ بھرتے ہوئے جلدی نے ڈائری بند کر دی اور اٹھ کر کھڑی ہو گئی، کچن کی دہلیز پر آسیہ بیگم نمودار ہوئی تھیں اس نے سکون کا سانس لیا۔

"بیٹا....تم نے معاذ کو کہیں دیکھا ہے؟ "انھوں نے آتے ہی پوچھا تھا۔

"کچھ دیر پہلے تو یہیں تھا شاید اپنے کمرے میں ہو۔کوئی کام تھا چچی جان!"۔جب وہ نبیل صاحب کے بلانے پر ان کے کمرے میں گئی تب تک معاذ کچن میں ہی تھا اب نا جانے کہاں تھا اس نے لاعلمی کا اظہار کیا۔

"میری ڈاکٹر کے ساتھ اپوائنمنٹ تھی آج، عمیر اپنے دوست سے ملنے باہر گیا ہے ورنہ اس کے ساتھ ہی چلی جاتی۔چلو ٹھیک ہے میں دیکھتی ہوں شاید کمرے میں ہو۔ "

آسیہ بیگم کچن کی دہلیز سے ہی واپس پلٹ گئیں۔وہ بلڈ پریشر کی مریضہ تھیں، تفصیلی

چیک اپ کے لیے فیملی ڈاکٹر کے پاس اُسے معاذ ہی لے کر جاتا تھا۔اس لیے وہ اُسے ڈھونڈتے ہوئے آئی تھیں۔

" چچی جان،اس کی ڈائری.....سیڑھیوں پر رکھی ملی تو میں نے اٹھالیا،آپ اسے دے دیجئیے گا۔ "آسیہ بیگم کچن سے نکل گئیں وہ ڈائری لیے ان کی جانب بڑھی تھی اور جلدی سے انھیں تھما دیا تھا تاکہ اس پر کوئی شک نہ جائے کیوں کہ وہ اس کے کمرے میں ہی جا رہی تھی۔

.....

رات،گیارہ.....ساڑھے گیارہ کے قریب انیلا بیگم بیٹھی بے دلی سے ٹی وی کے بار بار چینلز بدل رہی تھیں۔وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا اپنے کمرے میں جانے کے لیے اگے بڑھا ہی تھا کہ انیلا بیگم کے پکارنے پر اس کے قدم ٹھہر گئے۔اپنی گردن اوپر کیے وہ لمبی سانس بھرنے لگا۔جوتوں کی آواز کیے بغیر محتاط انداز میں چلنے کے باوجود بھی آج پھر وہ پکڑا گیا تھا۔نا جانے اُس کی ماما کیسے جان جاتی تھیں۔

"ابشام۔۔کہاں سے آرہے ہو؟"آواز میں غصہ تھا۔وہ خاموشی سے ان کے قریب آکر انکا ماتھا چومتے مسکراتے ہوئے آکر صوفے پر بیٹھتے بولا، "آپ اب تک جاگ رہی ہیں،ماما؟"ان کی سوال کو نظر انداز کرتے وہ بولا تھا۔وہ اچھی طرح جانتا تھا ٹی وی

دیکھنا بس ایک بہانہ تھا وہ یہاں بیٹھی اس کا ہی انتظار کر رہی تھیں۔ ''میں نے کچھ پوچھا ہے تم سے؟ ''کسی بھی بات کا جواب دیے بغیر انھوں نے وہی سوال دہرایا جسے وہ نظر انداز کر دیا چاہتا تھا۔

''خالہ جان کے گھر تھا، ماما" صوفے سے ٹیک لگائے پر سکون سے انداز میں بیٹھ کر ان کے چہرے کے بدلتے تاثرات نوٹ کرتا وہ دھیمے لہجے میں بولا۔

''جھوٹ مت بولو ابشام!، وہاں سے شام میں ہی نکل گئے تھے تم، اور اب لوٹے ہو ۔ ''وہ برہم ہوئیں۔

''تو کیا ہے ماما۔۔۔میں کوئی چھوٹا بچہ تو نہیں جو بناء بتائے کہیں نہیں جا سکتا۔ دریاب نے (جو چند دنوں پہلے ہی اس کا دوست بنا تھا) نے اپنی منگنی کی خوشی میں پارٹی رکھی تھی وہیں تھا۔ ''وہ وجہ مصروفیت بتانے لگا۔ ''میں جانتی ہوں، تم اب بچے نہیں رہے بڑے ہو گئے ہو۔ اس لیے چاہتی ہوں یہ بچپنا چھوڑ دو اور ذمہ دار ہو جاؤ میری جان۔ تمہیں پتا ہے تمہیں ڈائنگ ٹیبل پر تمہاری غیر موجودگی کی وجہ تمہارے بابا کتنے غصے میں تھے، مجھے بتا کر جاتے تو کم از کم میں انھیں آگاہ تو کر دیتی۔ ''ان کا غصہ پل بھر میں ہوا ہو گیا وہ اسے ہر بار کی طرح سمجھانے لگیں۔

''ٹھیک ہے بھئی! اب کوئی شکایت نہیں ملے گی، پکا۔''

کان پکڑ کر سوری کہتے وہ ان کے گلے لگ گیا۔ ''دور ہٹو.....بد تمیز۔وہ تو صاف دکھ رہا ہے مجھے۔ ''اس کی حرکت پر وہ چڑ کر غصے سے بولی تھیں۔

''اب کیا کر دیا میں نے۔ایک تو آپ اور بابا ہمیشہ مجھے ہر بات پر ٹوکتے رہتے ہیں، آپ سے اچھی تو خالہ جان ہیں۔ ''اب ناراض ہونے کی باری اس کی تھی اس نے برملا خفگی کا اظہار کیا تھا۔

''اچھا..تم نے بتایا نہیں، خالہ کیسی تھیں اور ان کس گھر؟ ''تجسس سے اُسے دیکھتے ہوئے اس کے یاد دلانے پر استفسار کیا گیا تھا۔

''خالہ تو بہت سوئیٹ ہیں، بالکل آپ کی طرح۔ ''ان کے متعلق بتانے پیار بھرا رویہ اس کے آنکھوں کے سامنے تھا۔

''اور عنبر سے ملے تم؟ ''انھوں نے پوچھا۔

''تو کیا وہ جگھڑالو ہی عنبر تھی۔ماما ایویں اس کی تعریف کرتی تھیں۔پہلے تو خاموش ہی رہتی تھی وہ مگر اب۔اللہ توبہ...اُس کا جلالی روپ دیکھیں گی تو کانوں کو ہاتھ لگائیں گی ''اُس نے خود کلامی کرتے ہوئے تصور میں ہی یہ سب کر چکا تھا۔ ''بولو بھی۔ ''اس وقت اس کی خاموشی انھیں زہر لگی تھی۔

"اتنی رات کو آپ کیا پوچھنے بیٹھ گئی ہیں۔مجھے بہت نیند آرہی ہے ماما!،پلیز آپ بھی سو جائیں۔"

"گڈ نائٹ"

دائیں ہاتھ سے جمائی روک کر بہت پر زور دیتے وہ صوفے سے اٹھا گیا تھا اور اب اس کا رخ اپنے کمرے کی جانب تھا،وہ اس کی پشت کو گھورنے کر رہ گئی اور اس کے پیچھے چلتی اپنے روم میں چلی گئیں۔

آج معاذ کا انٹرویو تھا،اور پہلے ہی انٹرویو میں اس کی سلیکشن ہو گئی تھی۔عافی کی یونیورسٹی راستے میں ہی تھی،اُسے وہاں سے پک کرنے کی ذمہ داری اس نے لی تھی۔ تقریباً دو بجے کے قریب اس کی کار یونیورسٹی کے اندر داخل ہوئی،ڈیپارٹمنٹ کی معلومات وہ پہلے ہی عافی سے فون پر لے چکا تھا۔گاڑی سائیڈ پر کھڑی کر کے کار سے باہر نکل آیا۔آج اُس نے جامنی رنگ کی شرٹ کے ساتھ بیلو جینز پہن رکھی تھی،آستین کہنوں تک فولڈ تھے۔گرمی سے بچاؤ کے لیے آنکھوں پر سن گلاسز چڑھائے وہ ہاتھ باندھے کار سے ٹیک لگائے کھڑا اُس کے آنے کا انتظار کرنے لگا.....پتا نہیں وہ کہاں رہ گئی تھی۔آس پاس سے گزرتے اسٹوڈنٹ باتوں میں مشغول اس پر سرسری نگاہ ڈالے اگے بڑھ رہے تھے،اُسے جھلسا دینے والی گرمی میں انتظار کرتے کوفت ہو رہی تھی۔

وہ چند لڑکیوں سے بات کرتے نظر آئی تو اس نے سکھ کا سانس لیا۔ معاذ پر نظر پڑتے ہی اس نے اپنی دوستوں کو کل ملنے کا کہا اور تیز قدموں سے چلتے کار تک آئی۔ وہ جانتی تھی آج واپسی پر وہ اُسے لینے آنے والا ہے، لیکن اس کڑی دھوپ میں اس کا انتظار کر رہا ہو گا اس بات سے بالکل بے خبر تھی۔ ''السلام علیکم ''قریب آتے ہی وہ آنکھوں میں چمک لیے بولی مگر اُس نے روکھے لہجے میں جواب دے کر کار کی بیک ڈور کھول کر اُسے بیٹھنے کا حکم دیا۔

وہ چپ چاپ اندر جا کر بیٹھ گئی، شکر تھا کار میں اے سی آن تھا ورنہ اس دھوپ میں حجاب اوڑھے اسے بہت زیادہ گرمی کا احساس ہو رہا تھا۔

پورا راستہ خاموشی کے نذر ہو گیا۔ یونیورسٹی روڈ سے نکل کر گاڑی خالی سڑک عبور کرتی جب حسن ویلا میں داخل ہوئی تو مین گیٹ سے اندر داخل ہوتے ہی معاذ نے اُسے اترنے کا کہا اور خود گاڑی پورچ میں کھڑی کرنے چلا گیا۔

پچھلے ایک ماہ سے وہ بدر صاحب کے ساتھ آفس جا رہا تھا.... اس دوران کافی حد تک اسے بزنس کی سمجھ آگئی تھی۔ آج آفس سے چھٹی تھی اس لیے وہ دیر تک سوتا رہا

۔تقریباً ایک بجے کے قریب اس کی آنکھ کھلی تھی اور ٹائم دیکھ کر اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

"اوہ نو..... "چادر پھینک کر وہ بیڈ سے کودا اور پھر فریش ہونے کے واش روم میں گھس گیا تھا، جلدی سے کپڑے تبدیل کیے اور آستین فولڈ کرتے سیڑھیاں اتر رہا تھا، انیلا بیگم اسے لاؤنج میں تیار بیٹھی نظر آئیں۔

"آج تو لگ گئی تیری کلاس..... نہیں بچے گا تو۔ "اُس نے سر نفی میں ہلاتے ہوئے خود کلامی کی اور مودبانہ سلام کرتے جھک کر ان کے ماتھا چوما اور آکر سامنے رکھے صوفے پر بیٹھ گیا، ان نے ماں کے چہرے کو بغور دیکھا جو غصے سے لال ہو رہا تھا، انیلا بیگم گھورا سے کر رہ گئیں، ابشام کی بچپن سے یہی عادت تھی کبھی گلے میں ہاتھ ڈال جھومتا تو کبھی ان کے گال چومتا۔اس کی خود سے والہانہ محبت دیکھ کر وہ دل ہی دل میں اس کے لیے ڈھیر ساری دعائیں کرتیں وہ انوکھے انداز میں اپنی محبت کا اظہار کرتا تو کبھی کبھار وہ چڑ جاتیں لیکن اکلوتا ہونے کے باعث وہ اس سے محبت بھی بہت کرتیں تھیں۔یوں کہہ لو اپنے بیٹے میں ان کی جان بستی تھی۔

"فاریہ بی بی میرا ناشتہ۔ "بیٹھے بیٹھے ہی اس نے وہیں سے ناشتے کے لیے ہانک لگائی ۔"اٹھ گئے تم..... شکر ہے نواب صاحب کی آنکھ تو کھلی۔ "انھوں نے طنز کیا۔

غصہ انھیں اس بات کا تھا وہ جانتے بوجھتے دیر سے اٹھا تھا۔ رات میں ہی وہ اسے صفیہ بیگم کی طرف چلنے کا بتا چکی تھیں، تب بھی جلدی اٹھنے کے بجائے وہ سوتا رہا۔ دو بار اٹھانے کے لیے اس کے روم تک گئی تھیں.... کافی آوازیں بھی لگائیں پر اس کا روم اندر سے لاک تھا۔

"جلدی سے ناشتہ کرو..... ہمیں نکلنا ہے۔" وہ کسی کا نمبر ملاتے ہوئے بولیں ۔ "اوکے۔" اس نے ایک فرمانبردار بیٹے کی طرح حامی بھری اب اس کا رخ ڈائٹنگ ٹیبل کی طرف تھا جہاں فاریہ بی بی اس کا ناشتہ رکھ گئی تھیں۔ اگر انیلا بیگم کو پتا چلتا کہ وہ رات بھر میوریز دیکھتا رہا اور صبح فجر پڑھ کر سویا تھا تو وہ بہت غصہ کرتیں اس لیے چپ رہنے میں ہی اپنی عافیت جانیں۔

کچھ دیر تک ابشام انھیں خالہ کے گھر چھوڑ کر باہر سے ہی چلا گیا، وہ شام میں انھیں لینے آنے والا تھا۔

عنبر کافی کا مگ کچن میں رکھ کر کمرے میں جانے کا ارادہ رکھتی تھی پر صفیہ بیگم کے ساتھ اپنک خالہ کو لاؤنج میں داخل ہوتے دیکھ کر کمرے کی جانب اس کے بڑھتے قدم رک گئے۔

علیک سلیک کے بعد وہ ان کے ساتھ ہی بیٹھی بہت دیر تک باتیں کرتی رہی۔اس کی ماما کے برعکس انیلا خالہ کافی ینگ نظر آرہی تھیں،حالانکہ دونوں جڑواں بہنیں ہیں وہ جانتی تھی۔انیلا خالہ پاکستان سے باہر ہونے کے باوجود ان کی زندگی میں ہونے والی تمام واقعات سے باخبر تھیں اور اس کی وجہ دنوں بہنوں کے درمیان سالوں سے ٹیلی فونیک رابطہ تھا اور اس کے بابا کے انتقال کے وقت کچھ دنوں کے لیے یہاں آکر ٹھہری تھیں۔

"بھئی عنبر تم تو اور بھی خوبصورت ہو گئی ہو بیٹا۔"اپنی تعریف سن کر وہ دھیمے سے مسکرائی پر ان کے چہرے پر شادابی دیکھ کر توقف کے بعد بولی۔"پر آپ سے کم....

"اس عمر میں بھی انھوں نے خود کو بہت مینٹین رکھا ہوا تھا،کوئی بھی دیکھتا تو ان کی خوبصورتی کا قائل ہوتا.....جواباً انیلا بیگم کے ساتھ صفیہ بیگم بھی کھلکھلا کر ہنسی تھیں۔عنبر نے اپنی ماں کے چہرے پر اتنے دنوں بعد خوشی دیکھی تھی جس کی وجہ اس کی خالہ تھیں،چند سال پہلے تک وہ بھی خوش باش ہوا کرتی تھیں لیکن اب وقت و حالات بدل گئے تھے۔ان کی زندگی میں آئی تبدیلی نے اس کے ساتھ صفیہ بیگم کو بھی خاموش کر دیا تھا۔

پچھلے ایک ماہ امتحان کی تیاری میں عافی نے دن رات ایک کر دیا تھا آج آخری پرچہ دے کر وہ بالکل ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی۔ یونیورسٹی سے واپس آ کر وہ سو گئی تھی، اُس کی آنکھ شام کے وقت کھلی تو وہ فریش ہو کر سیدھا نیچے چلی آئی جہاں سب کو سر جوڑے باتوں میں مشغول تھے۔

"کونسی راز کی باتیں ہو رہی ہیں؟ "اس کے آتے ہی سب خاموش ہو گئے تھے وہ کچھ حیران ہوئی، اور خالی صوفے پر بیٹھتے ہی پوچھا۔

"ہم نے سوچا ہے اب معاذ کی شادی کر دی جائے۔ "سب یکدم خاموش ہو گئے تھے، اس خاموشی کو آسیہ بیگم نے توڑا، معاذ کی شادی کا سُن کر اس کی دھڑکنیں منتشر ہوئیں، "کس.....کے.... ساتھ؟ "چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ سجائے اچک کر پلیٹ سے چپس اٹھا کر منہ میں ڈالا اور لاپرواہی ظاہر کرتے ہوئے بولی۔ "آف کورس۔ معاذ کی پسند کو ہی ہم اس گھر کی بہو بنائیں گے، ہم اتنے ظالم تھوڑی ہیں "۔ یہ کہنے والے اس کے جان سے پیارے بابا تھے، اس خبر کو سُن کر جہاں سب کے چہروں پر مسکراہٹ بکھر گئی تھی، وہاں اس کے چہرے کا رنگ فق ہوا تھا۔ اس وقت کوئی اس کے چہرے کو بغور دیکھتا تو یہ جاننے میں دیر نہ لگاتا کہ اس کے اندر بہت کچھ ٹوٹا ہے۔ "مم.....میں چائے.....لے کر آتی ہوں۔ "اگر کچھ دیر مزید وہاں بیٹھتی تو اس کی

آنکھیں چھلک پڑتیں اس لیے اٹھ کر وہ کچن میں آگئی تھی۔اس کا دل کیا وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دے۔معاذ سے وہ اُس وقت سے محبت کرتی تھی جب اُسے محبت لفظ سے آشنائی تک نہ تھی۔وہ کیسے اسے کسی اور کا ہوتا دیکھ سکتی تھی۔بچپن سے اس نے صرف اور صرف اس کے ہی خواب دیکھے تھے۔اُسے ہی اپنے ہمسفر کے روپ میں دیکھنا چاہتی تھی مگر آج اُس کا خوابوں کا محل گر کر چکنا چور ہو گیا تھا،وہ جانتی تھی معاذ کسی اور کون پسند کرتا ہے جس سے گھر والے بے خبر تھے پر آج سب اس کی شادی کی بات کر رہے تھے،یقیناً وہ اپنی محبت کے بارے میں بتا چکا تھا۔وہ کتنی دیر تک یونہی کھڑی بے آواز روتی رہی،پھر بے دردی سے اپنے آنسو صاف کیے اور چائے بنا کر جب وہ لاؤنج میں آئی تو معاذ صوفے پر بیٹھا نظر آیا۔اس نے بے دلی سے سب کو چائے سرو کیا اور اپنے کمرے میں آگئی۔

عافی اسٹڈی روم میں اندھیرا کیے لیپ ٹاپ میں موجود معاذ کی تصویروں کو دیکھ کر آنسو بہانے میں مصروف تھی،اچانک سے کمرے کی لائٹ کسی نے آن کی تو اُن کی آنکھیں اس تیز روشنی میں چندھیا گئیں۔وہ عمیر تھا.....اُسے سامنے دیکھ کر نظریں جُھکائے آنسوؤں کو باہر آنے سے روکا اور اپنے دوپٹے کے پلو سے آنسو صاف کرنے کی ناکام کوشش کرنے لگی،جو مسلسل دل میں گرنے کے ساتھ آنکھوں کے راستے نکل کر اس

کے رخسار کو بھی تر کر رہے تھے۔البتہ وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا اس کے عین مقابل آکر بیٹھتے ہوئے بولا تھا۔

"تم رو رہی ہو..... لیکن کیوں؟ "اس کی سرخ ہوتی آنکھوں کو دیکھ کر وہ پریشان ہوا تھا۔عمیر اور وہ ہم عمر ہونے کے ساتھ اچھے کزن اور بیسٹ فرینڈ بھی تھے۔ "

نہیں..... نہیں تو..... "اپنی آنکھوں کو سختی سے رگڑتے ہوئے بولی،تو اس نے آنکھیں دکھائیں۔جیسے کہہ رہا ہو مجھے صرف سچ سُننا ہے۔

"کچھ چلا گیا ہے۔ "سر جُھکائے بولتی وہ اپنی انگلیوں چٹکانے لگی۔

"نہیں بتانا تو صاف صاف کہہ دو..... نہیں بتانا چاہتی..... جھوٹ کیوں بول رہی ہوں۔ "اُسے انگلیاں چٹکاتے دیکھ کو وہ سمجھ گیا وہ کچھ چھپا رہی ہے تبھی غصے سے بولا۔

"مم..... معاذ "معاذ کا نام لیتے ہی اس کے رکے آنسو پھر سے بہنے لگے تو عمیر کو یہی لگا کہ معاذ نے اُس سے کچھ کہا ہے کیوں کہ بچپن سے لے کر اب تک جب کبھی اُس کی شرارت پر اُسے ڈانٹتا یا غصہ کرتا وہ اسی طرح اندھیرے میں بیٹھ کر آنسو بہاتی تھی۔ "

کیا اُس نے ڈانٹا ہے تمہیں؟ "اُس نے پوچھا مگر عافی نے نفی میں سر ہلایا۔ "گھر میں

کسی نے تم سے کچھ کہا ہے؟ ''دوبارہ استفسار کرنے پر بھی جواب نفی میں آیا، تو وہ حیران ہوا۔

''پھر تم کیوں رُو رہی ہو.....؟ ''

''معاذ شادی کر رہا ہے۔ ''وہ آنسو صاف کرتے آہستے سے بولی۔

''ہاہاہاہا.....تو اچھا ہے نا۔ تمہیں تو خوش ہونا چاہیے تم اور وہ شادی کے بعد خوشی خوشی اپنی زندگی گزارنا۔اس میں رونے والی کیا بات ہے؟ ''وہ اس کے رونے کی وجہ سے پریشان تھا اس کی بات سُن کر قہقہہ لگاتے ہوئے بولا۔ ''وہ مجھ سے نہیں..... کسی اور سے شادی کر رہا ہے۔ ''عمیر ہنستا ہوا اُسے بالکل زہر لگ رہا تھا اس بار وہ چلا کر بولی تھی اور یہ بات سنتے ہی عمیر کی ہنسی کو جیسے بریک لگ گئی کچھ دیر ان دونوں کے درمیان خاموشی حائل رہی جسے عمیر نے ہی توڑا۔

''اور تمہیں کس نے کہا....وہ تم سے نہیں کسی اور سے شادی کرے گا۔ ''عافی کے دل میں معاذ کے لیے کیا جذبات تھے، وہ اُسے لے کر کتنی حساس تھی اس بات کا بخوبی اندازہ تھا وہ دونوں بچپن سے ایک دوسرے سے کچھ نہیں چھپاتے تھے، اس نے تصدیق کرنا ضروری سمجھا۔

"بابا نے.....جب شام میں چائے کے لیے نیچے گئی تو سب مل کر بات کر رہے تھے ۔"وہ کسی کام سے باہر گیا ہوا تھا اور گھر میں ہونے والی بات سے بے خبر تھا عافی اُسے تفصیل سے بتانے لگی۔

"تایا جی نے..... "وہ حیران ہوا پھر کچھ یاد آنے پر کرسی سے اچھلا گویا اسے کرنٹ لگ گیا ہو۔

"اوہ نو۔ "نفی میں سر ہلاتا وہ پریشان دکھائی دیا تو عافی نے نا سمجھی سے اُس کی جانب سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"سب تمہیں بلا رہے تھے یار اور میں۔۔۔میں یہاں بیٹھا تمہارے ساتھ اپنا دماغ کھپا رہا ہوں،اب چلو۔ "اسے اٹھنے کا کہتا وہ کرسی چھوڑ چکا تھا،عافی بھی اس کی تائید میں چلتی گئی۔

عمیر اسے ہی ڈھونڈتا یہاں تک آیا تھا لیکن اُسے اس حالت میں دیکھ کر وجہ آمد ہی بھول گیا تھا۔بڑے پاپا کے کمرے تک اسے چھوڑ کر سارے معاملات سے آگاہ کرنے کا کہہ کر وہ سیدھا اپنے کمرے کی جانب چلا گیا تھا البتہ عافی دروازے پر دستک دینے لگی جہاں سب اُس کا انتظار کر رہے تھے۔

معاذ کافی دیر سے اپنے کمرے میں ٹہل رہا تھا اس کے چہرے سے پریشان صاف جھلک رہی تھی۔ کل وہ آفس سے واپسی پر اپنے دوستوں کو نوکری ملنے کی خوشی میں ٹریٹ دینے کے لیے قریب ہی ریسٹورنٹ لے کر گیا تھا، اتفاقاً وہ بھی اُسی ریسٹورنٹ آئی تھی ۔وہ پچھلے دو سال سے اس کی محبت میں گرفتار تھا پر اُس وقت وہ کچھ بننا چاہتا تھا اُس کی توجہ اپنی پڑھائی میں تھی، اپنے دل میں اُس کے لیے جذبات رکھتے ہوئے بھی کبھی اُس سے محبت کا اظہار نہیں کر پایا تھا۔ آج اتنے دونوں بعد اُسے دیکھ کر اُس کے دل میں بات آئی کہ اب اسے دیر نہیں کرنی چاہیے۔ جب وہ وہاں سے اٹھی تو معاذ بھی اپنے دوستوں سے واش روم جانے کا بہانہ بنا کر ان کی نظروں سے بچ بچاتے اس نے بات کرنے چلا گیا، وہ اس کی یونیورسٹی میں اس کے ساتھ پڑھتی تھی، پہلی بار جب وہ اس سے مدد مانگنے آئی تھی تو اُس کی روئی روئی آنکھوں کو دیکھ کر وہ انکار نہیں کر پایا تھا اور اپنی عادت کے برخلاف اس کی مدد کی پھر پتا نہیں کب لیکن کلاس میں اس کی موجودگی کو نوٹ کرنے لگا، جب وہ نظر نہیں آتی تو وہ پریشان ہو جاتا۔ معاذ اپنے کلاس میں ریسور رہتا تھا اور اپنی سنجیدہ طبیعت کی وجہ سے مغرور سمجھا جاتا تھا جس نے کبھی کسی کو اہمیت نہیں دی تھی، پھر تعلیمی سال کے دوران ہلکی پھلکی بات چیت یا دعا سلام ہو جایا کرتی تھی۔ وہ پکے دوست نہ سہی پر ایک ساتھ پروجیکٹ پر کام کرتے تھے پھر ایک دن اس

کے دل نے عنایہ سے محبت کا اعتراف کیا وہ لاکھ جھٹلانے کی کوشش کرتا پر وہ اس کے دل میں کسی سلطنت کی ملکہ کی طرح براجمان ہو گئی تھی۔اور آج جب اُس نے اپنی محبت کا اظہار کیا تو پہلے تو وہ حیران ہوئی تھی، جواباً اُس نے کہا تھا کہ اگر وہ واقعی اس سے محبت کرتا ہے تو وہ اپنے والدین کے ساتھ باقاعدہ رشتہ لے کر آئے، وہ یہی تو چاہتا تھا اس کی بات سن کر وہ حامی بھر چکا تھا، اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ساری یادیں ایک بار پھر تازہ ہو گئی تھیں۔

"مجھے کل ہی امی سے بات کرنی ہو گی میں یہ شادی نہیں کر سکتا۔" ایک گہری سانس لیتے ہوئے وہ بڑبڑایا اور لائٹ آف کر کے سونے لیٹ گیا۔صبح فجر کی نماز کے بعد وہ سیدھا آسیہ بیگم کے پاس آیا تھا۔وہ نماز سے فارغ ہو کر سونے کے لیے جا رہی تھی تبھی دروازے پر دستک ہوئی۔

"معاذ تم وہاں کیوں کھڑے ہو بیٹا.....اندر آ جاؤ۔" اسے دروازے پر کھڑے دیکھ کر محبت سے بولیں۔اُسے یہاں دیکھ کر انھیں بڑی خوشی ہوئی تھی۔عمیر کے برعکس وہ کم ہی ان کے کمرے میں آتا تھا، وہ اس کی عادتوں سے واقف تھیں۔اندر آنے کا کہہ کر آسیہ بیگم وہیں بیڈ پر بیٹھ گئیں۔عادل صاحب اس کی توقع کے مطابق روم میں نہیں تھے، اس وقت وہ اسٹڈی روم میں تلاوت کرتے تھے وہ بخوبی جانتا تھا، اور یہی مناسب

تھا کیوں کہ وہ آسیہ بیگم سے اکیلے میں بات کرنا چاہتا تھا۔اجازت ملتے ہی سلام کرتا وہ اندر داخل ہوا۔

"ماما۔مجھے آپ سے بہت ضروری بات کرنی ہیں؟ "ان کے قریب ہی بیٹھتے بولا۔

"کیا بات ہے معاذ؟ "اپنے بیٹے کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے جاننے کی کوشش کی ایسی کونسی بات تھی کہ وہ اتنی صبح صبح ان کے کمرے میں آیا تھا۔

"امی!،میں یہ شادی نہیں کر سکتا،آپ تایا جی کو منع کر دیں پلیز!۔ "وہ بناء تمہید باندھے بولا تو آسیہ بیگم دم سادھے اس کے چہرے کو دیکھنے لگیں جہاں سنجیدگی ہی سنجیدگی تھی۔ "تت۔۔۔تم۔۔۔یہ۔۔۔کیا کہہ رہے ہو معاذ،تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا؟ "اُسے یہاں دیکھ کر جو خوشی ان کے چہرے سے پھوٹ رہی تھی یکدم غائب ہوئی تھی،وہ غصے سے بولیں۔ "میں عنایہ سے بہت محبت کرتا ہوں اور اُسی سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ "ان کی کسی بھی بات کا اثر لیے بغیر وہ انکشاف پر انکشاف کر رہا رہا تھا۔

"میں کچھ بھی نہیں کر سکتی اس میں۔تم اپنے بابا سے بات کر لو۔ "عادل صاحب کے غصے سے انھیں بہت ڈر لگتا تھا وہ ان کے فیصلے کے خلاف نہیں جا سکتی تھیں اس لیے انھوں نے دوٹوک لفظوں میں انکار کیا۔

"آپ انھیں سمجھائیں گی تو وہ مان جائیں گے امی، لیکن وہ میری بات کبھی نہیں مانیں گے۔ "اس نے اپنا خدشہ ظاہر کیا وہ جانتا تھا عادل صاحب غصے کے کتنے تیز تھے، اپنے فیصلے کے اگے وہ کسی کی نہیں سنتے تھے۔ بچپن میں بھی جب کبھی اُسے اپنی بات منوانی ہوتی تو آکر آسیہ بیگم سے کہتا تھا، عادل صاحب کو اپنے بڑے بھائی نبیل صاحب سے بے حد محبت تھی، تایا جی کے علاوہ اگر وہ کسی کی بات کو اہمیت دیتے تھے تو وہ آسیہ بیگم ہی تھیں۔ وہ انھیں شش و پنج میں مبتلا کر کے آفس کے لیے نکل گیا تھا۔ معاذ نے شادی سے انکار کی عادل صاحب کو بھنک بھی پڑ جاتی تو وہ آسمان سر پر اٹھا لیتے۔ وہ سوچ سوچ کر ہلکان ہو رہی تھیں۔

معاذ کافی دیر سے اپنے کمرے میں ٹہل رہا تھا اس کے چہرے سے پریشان صاف جھلک رہی تھی۔ کل وہ آفس سے واپسی پر اپنے دوستوں کو نوکری ملنے کی خوشی میں ٹریٹ دینے کے لیے قریب ہی ریسٹورنٹ لے کر گیا تھا، اتفاقاً وہ بھی اُسی ریسٹورنٹ آئی تھی ۔وہ پچھلے دو سال سے اس کی محبت میں گرفتار تھا پر اُس وقت وہ کچھ بننا چاہتا تھا اُس کی توجہ اپنی پڑھائی میں تھی، اپنے دل میں اُس کے لیے جذبات رکھتے ہوئے بھی کبھی اُس سے محبت کا اظہار نہیں کر پایا تھا۔ آج اتنے دونوں بعد اُسے دیکھ کر اُس کے دل میں بات آئی کہ اب اسے دیر نہیں کرنی چاہیے۔ جب وہ وہاں سے اٹھی تو معاذ بھی اپنے

دوستوں سے واش روم جانے کا بہانہ بنا کر ان کی نظروں سے بچ بچاتے اس نے بات کرنے چلا گیا، وہ اس کی یونیورسٹی میں اس کے ساتھ پڑھتی تھی، پہلی بار جب وہ اس سے مدد مانگنے آئی تھی تو اُس کی روئی روئی آنکھوں کو دیکھ کر وہ انکار نہیں کر پایا تھا اور اپنی عادت کے برخلاف اس کی مدد کی پھر پتا نہیں کب لیکن کلاس میں اس کی موجودگی کو نوٹ کرنے لگا، جب وہ نظر نہیں آتی تو وہ پریشان ہو جاتا۔ معاذ اپنے کلاس میں ریسور رہتا تھا اور اپنی سنجیدہ طبیعت کی وجہ سے مغرور سمجھا جاتا تھا جس نے کبھی کسی کو اہمیت نہیں دی تھی، پھر تعلیمی سال کے دوران ہلکی پھلکی بات چیت یا دعا سلام ہو جایا کرتی تھی۔ وہ پکے دوست نہ سہی پر ایک ساتھ پروجیکٹ پر کام کرتے تھے پھر ایک دن اس کے دل نے عنایہ سے محبت کا اعتراف کیا وہ لاکھ جھٹلانے کی کوشش کرتا پر وہ اس کے دل میں کسی سلطنت کی ملکہ کی طرح براجمان ہو گئی تھی۔ اور آج جب اُس نے اپنی محبت کا اظہار کیا تو پہلے تو وہ حیران ہوئی تھی، جواباً اُس نے کہا تھا کہ اگر وہ واقعی اس سے محبت کرتا ہے تو وہ اپنے والدین کے ساتھ باقاعدہ رشتہ لے کر آئے، وہ یہی تو چاہتا تھا اس کی بات سن کر وہ حامی بھر چکا تھا، اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ ساری یادیں ایک بار پھر تازہ ہو گئی تھیں۔

"مجھے کل ہی امی سے بات کرنی ہو گی میں یہ شادی نہیں کر سکتا۔ "ایک گہری سانس لیتے ہوئے وہ بڑبڑایا اور لائٹ آف کر کے سونے لیٹ گیا۔ صبح فجر کی نماز کے بعد وہ سیدھا آسیہ بیگم کے پاس آیا تھا۔ وہ نماز سے فارغ ہو کر سونے کے لیے جا رہی تھی تبھی دروازے پر دستک ہوئی۔

"معاذ تم وہاں کیوں کھڑے ہو بیٹا.....اندر آ جاؤ۔ "اسے دروازے پر کھڑے دیکھ کر محبت سے بولیں۔ اُسے یہاں دیکھ کر انھیں بڑی خوشی ہوئی تھی۔ عمیر کے برعکس وہ کم ہی ان کے کمرے میں آتا تھا، وہ اس کی عادتوں سے واقف تھیں۔ اندر آنے کا کہہ کر آسیہ بیگم وہیں بیڈ پر بیٹھ گئیں۔ عادل صاحب اس کی توقع کے مطابق روم میں نہیں تھے، اس وقت وہ اسٹڈی روم میں تلاوت کرتے تھے وہ بخوبی جانتا تھا، اور یہی مناسب تھا کیوں کہ وہ آسیہ بیگم سے اکیلے میں بات کرنا چاہتا تھا۔ اجازت ملتے ہی سلام کرتا وہ اندر داخل ہوا۔

"ماما۔ مجھے آپ سے بہت ضروری بات کرنی ہیں؟ "ان کے قریب ہی بیٹھتے بولا۔

"کیا بات ہے معاذ؟ "اپنے بیٹے کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے جاننے کی کوشش کی ایسی کونسی بات تھی کہ وہ اتنی صبح صبح ان کے کمرے میں آیا تھا۔

"امی!، میں یہ شادی نہیں کر سکتا، آپ تایا جی کو منع کر دیں پلیز!۔ "وہ بناء تمہید باندھے بولا تو آسیہ بیگم دم سادھے اس کے چہرے کو دیکھنے لگیں جہاں سنجیدگی ہی سنجیدگی تھی۔ "تت۔۔۔ تم۔۔۔ یہ۔۔۔ کیا کہہ رہے ہو معاذ، تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا؟ "اُسے یہاں دیکھ کر جو خوشی ان کے چہرے سے پھوٹ رہی تھی یکدم غائب ہوئی تھی، وہ غصے سے بولیں۔ "میں عنایہ سے بہت محبت کرتا ہوں اور اُسی سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ "ان کی کسی بھی بات کا اثر لیے بغیر وہ انکشاف پر انکشاف کر رہا رہا تھا۔

"میں کچھ بھی نہیں کر سکتی اس میں۔ تم اپنے بابا سے بات کر لو۔ "عادل صاحب کے غصے سے انھیں بہت ڈر لگتا تھا وہ ان کے فیصلے کے خلاف نہیں جا سکتی تھیں اس لیے انھوں نے دو ٹوک لفظوں میں انکار کیا۔

"آپ انھیں سمجھائیں گی تو وہ مان جائیں گے امی، لیکن وہ میری بات کبھی نہیں مانیں گے۔ "اس نے اپنا خدشہ ظاہر کیا وہ جانتا تھا عادل صاحب غصے کے کتنے تیز تھے، اپنے فیصلے کے اگے وہ کسی کی نہیں سنتے تھے۔ بچپن میں بھی جب کبھی اُسے اپنی بات منوانی ہوتی تو آ کر آسیہ بیگم سے کہتا تھا، عادل صاحب کو اپنے بڑے بھائی نبیل صاحب سے بے حد محبت تھی، تایا جی کے علاوہ اگر وہ کسی کی بات کو اہمیت دیتے تھے تو وہ آسیہ

بیگم ہی تھیں۔وہ انھیں شش و پنج میں مبتلا کر کے آفس کے لیے نکل گیا تھا۔معاذ نے شادی سے انکار کی عادل صاحب کو بھنک بھی پڑ جاتی تو وہ آسمان سر پر اٹھا لیتے،. وہ سوچ سوچ کر ہلکان ہو رہی تھیں۔

جب تیرے اسیر ہوئے

ثمرین شاہد

ساتویں قسط

صبح آنکھ دیر سے کھلنے کے باعث وہ آج آفس دیر سے پہنچا تھا۔کار پارک کر کے تقریباً دوڑتے ہوئے مین گیٹ کی جانب بڑھا تو وہاں موجود چوکیدار نے اُسے دیکھتے ہی ادب سے کھڑے ہو کر اپنے مخصوص انداز میں ہاتھ کو سر تک لے جا کر سلام کیا۔انھیں دیکھتے ہی اس کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی۔کرم اللہ بھرپور جسامت پر درمیانہ قد کے حامل پچاس ساٹھ سال کے قریب ایک خوددار آدمی تھے۔کسی سے مدد لینے کے بجائے اس عمر بھی محنت مزدوری کو ترجیح دی تھی اور اس لیے بدر صاحب نے ان کی مجبوری دیکھ کر چوکیدار کی نوکری پر رکھ لیا تھا ان کے ساتھ دوسرا آدمی بھی ہوتا تھا جو شاید آج چھٹی پر تھا۔جب سے اُس نے آفس جوائن کیا تھا،وہ باپ بیٹے کو دیکھ کر اسی

طرح کھڑے ہو جاتے تھے ان کے اس عمل سے وہ اکثر شرمندہ ہو جاتا، کئی بار منع کرنے کے باوجود بھی وہ اسی طرح پیش آتے تھے۔

"بڑے صاحب نہیں آئے آج؟ "اپنے سر کو خم دیتا وہ دو قدم اگے بڑھا تبھی آواز پر پلٹ کر دیکھا وہ جواب کے منتظر کھڑے اسے ہی دیکھ رہے تھے۔بدر صاحب اور انیلا بیگم کی صفیہ بیگم کے گھر دعوت تھی،اس لیے ابشام کو اکیلا آنا پڑا تھا اور یقیناً انھوں نے سوال بھی اس لیے کیا تھا ورنہ روز دونوں باپ بیٹے ایک ساتھ آفس آتے تھے۔ "نہیں۔وہ کسی کام سے باہر گئے ہیں۔ "جواب ملنے پر وہ اسے دعائیں دیتے اپنی کرسی پر بیٹھ گئے البتہ وہ ڈگ بڑھتے اپنے کیبن میں چلا آیا۔آج اسے سب کچھ اکیلے ہی سنبھالنا تھا۔ صبح سے آیا وہ مسلسل کبھی ایک تو کبھی دوسرے فائل میں سر دیے بیٹھا تھا۔انٹر کام پر پیون سے کہہ کر اپنے لیے کافی منگوائی تھی۔وہ سامنے بیٹھے مینجر کو کچھ سمجھانے میں مصروف تھا تبھی میز پر پڑا موبائل زوزو کی آواز کرنے لگا، جسے وہ سائلینٹ پر رک کر بھول گیا تھا۔مینجر کے رخصت ہوتے ہی اس نے موبائل اٹھا کر چیک کیا تو اس کی ماما کے ساتھ صفیہ خالہ کی بھی کئی مس کالز دیکھ کر انھیں کال بیک کی۔دوسری جانب سے کچھ دیر بعد کال ریسو ہو گئی تھی لیکن فون پر اُسے جو خبر ملی تھی اُسے ایسا لگا کہ اب وہ سانس نہیں لے پائے گا۔آفس سے اسپتال کا سفر اُس نے کس حالت میں طے کیا وہ

خود نہیں جانتا تھا۔ شکر تھا کہ اسپتال کے کوریڈور میں ہی اُسے انیلا بیگم مل گئی تھیں۔ وہ تیزی سے ان کی جانب لپکا، اس دوڑ بھاگ میں اس کی سانسیں پھول گئی تھیں۔ اپنی سانس بحال کرتا وہ انیلا بیگم کے قریب پہنچا پر اپنی ماں کی سرخ ہوئی آنکھوں کو دیکھ کر اس کا دل بیٹھ گیا جو مسلسل رونے کی وجہ سے سوج گئی تھیں، ان کے ماتھے پر پٹی بندھی تھی یقیناً وہ بھی اس حادثے کا شکار ہوئی تھیں البتہ اسے دیکھ کر کچھ فاصلے پر بیٹھیں صفیہ بیگم اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئیں۔

"یہ سب کیسے ہوا اماما؟ "جب وہ سنبھلیں تو ابشام نے انھیں خود سے لگائے پوچھا۔

"صفیہ کے گھر سے واپسی پر ان کی طبیعت اچانک سے بگڑ گئی اور حادثہ۔ "وہ بتاتے ہوئے پھر سے رونے لگیں۔

"پریشان مت ہوں۔۔ کچھ نہیں ہو گا بابا کو۔ "ابشام نے انھیں تسلی دی۔ اس کے ماں باپ اس کی زندگی کے سب سے قیمتی سرمایہ تھے اور اچانک سے ملی اس خبر نے ابشام کو زندگی میں پہلی مرتبہ کھو دینے کے خوف سے دوچار ہونا پڑا تھا۔

وہ کتنی ہی دیر کھڑا اپنی روتی بلکتی ماں کو اپنے ساتھ لگائے تسلی دیتا رہا پھر انھیں صفیہ بیگم کے حوالے کر کے ڈاکٹر سے بات کرنے چلا گیا۔ دو گھنٹے بیت جانے کے باوجود بھی

بدر صاحب ہوش میں نہیں آئے تھے۔چوٹ گہری تھی،پر ڈاکٹر نے بے ہوشی کی وجہ ہارٹ اٹیک کہا تھا۔

کچھ دنوں پہلے جب وہ نیند نہ آنے کی وجہ سے اپنے کمرے سے نکل کر ٹیرس کی طرف جارہا تھا،اس نے اپنے بابا کو فون پر کسی سے غصے میں بات کرتے سنا تھا۔وہ کسی کلائنٹ یا اپنے کسی دوست سے بات کر رہے تھے،جیسے ہی پوچھنے کے لیے اگے بڑھا وہ اپنے کمرے میں چلے گئے تھے اور اس کے اٹھتے قدم واپس اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئے۔دوسری صبح جب اس سے پوچھا تو انھوں نے ہنس کر ٹال دیا اور اس نے دوبارہ اصرار کرنا مناسب نہیں سمجھا۔شام تک بھی جب انھیں ہوش نہیں آیا تو صحیح معنوں میں اسے پریشانی لاحق ہوئی۔اوپر سے انیلا بیگم نے رو رو کر اپنا بُرا حال کر لیا تھا۔لاکھ سمجھانے کے باوجود بھی وہ چپ ہونے کو تیار نہیں تھیں اور نہ ہی کچھ کھا پی رہی تھیں ۔جب آپ کا کوئی پیارا تکلیف میں ہو تو ایسا لگتا ہے کہ کسی نے آپ کے جسم سے روح کھینچ لی ہو۔آئی سی یو (I.C.U) روم میں بیڈ پر لیٹے اپنے بابا کے ساکت وجود کو دیکھ کر وہ اسی کیفیت سے دوچار ہوا تھا۔اُس نے بنا پلکیں جھپکے کتنے ہی پل اپنی آنکھوں پر یقین کرنے میں گزار دیے وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایسا کچھ ہو سکتا ہے۔بار بار اُن کا مسکراتا چہرہ اس کی آنکھوں کے سامنے آرہا تھا،دوسری جانب اپنی ماں کی غیر

ہوتی حالت دیکھ کر اس کی ساری ہمت جواب دے گئی اور ضبط کے باوجود آنسو تواتر سے اس کے رخسار پر بہنے لگے۔

"ابشام۔۔ "صفیہ بیگم کے پکارنے پر وہ اپنے آنسو صاف کرتا ان کی طرف متوجہ ہوا ۔ "جی خالہ۔ "

"بیٹا کچھ کھالو ورنہ طبیعت بگڑ جائے گی پھر انیلا کو کون سنبھالے گا وہ تو میری سننے کو تیار نہیں ہے۔ "ایک نظر انیلا بیگم پر ڈالتی بولیں، اپنی بہن کو اس حال میں دیکھ کر وہ خود بھی اندر سے بالکل ٹوٹ گئی تھیں۔ ابشام آفس سے سیدھا یہاں آیا تھا اور تب سے اسپتال کی دوڑ بھاگ سنبھال رہا تھا صفیہ بیگم کو اس کی فکر ستانے لگی۔

"آپ دونوں نے بھی کچھ نہیں کھایا، میں اپنی پریشانی میں بھول ہی گیا۔ "

یاد آنے پر افسوس کے ساتھ کہا تھا۔ "ماما کو سمجھائیں کہ بابا ٹھیک ہو جائیں اور کچھ کھالیں ورنہ وہ بیمار ہو جائیں گی خالہ جان!، میں کچھ لے کر آتا ہوں۔"

کچھ فاصلے پر عنبر کے ساتھ بیٹھی اپنی ماں کو دیکھتے ہوئے کہا گیا، آواز میں دکھ کی آمیزش جھلک رہی تھی۔ "بس اللہ سے دعا ہے جلد از جلد بدر بھائی کو ہوش آجائے، انیلا کی یہ حالت مجھ سے بھی دیکھی نہیں جا رہی۔ وہ کتنا خوش تھی صبح اور اب۔ "اپنی بہن کا اُترا ہوا چہرہ دیکھ کر ان کی آنکھیں نم ہو گئیں، بولتے بولتے ان کی آواز بھر آئی۔

''افففف خالہ جان۔۔۔آپ نے بھی رونا شروع کردیا Not ......
fair....''اس نے مصنوعی خفگی ظاہر کی تو صفیہ بیگم نے اپنے آنسو صاف کیے۔
''اب یہ آنسو نہیں دیکھو میں، کیوں کہ مجھ جیسا خوبصورت لڑکا روتے ہوئے اچھا لگے گا۔ ''آگے بڑھ کر ان کے آنسو صاف کرتا وہ شریر ہوا تھا، صفیہ بیگم اس کے چہرے پر ہاتھ پھیر کر اُسے لمبی عمر کی دعائیں دینے لگیں۔

رات دو بجے کے قریب بدر صاحب کو ہوش آیا تھا، انھیں ہوش میں دیکھ کر سبھی کے چہرے پر گویا سکون اتر آیا تھا ورنہ وہاں موجود ہر نفوس کے چہرے اب تک بالکل مرجھا گئے تھے۔ ہوش آنے کے کچھ گھنٹے بعد ڈاکٹر نے انھیں روم میں شفٹ کردیا تھا۔ انیلا بیگم کے اصرار کرنے کے باوجود وہ ڈرائیور کے ہاتھوں صفیہ خالہ اور عنبر کے ساتھ انھیں گھر بھیجوا چکا تھا تاکہ وہ کچھ دیر آرام کر کے صبح واپس آجائیں البتہ خود یہاں بدر صاحب کے پاس ٹھہرا تھا جو اب دوائی کے زیر اثر سُو رہے تھے۔

دو چار دن بعد جب ان کی طبیعت میں بہتری آئی تو ڈاکٹر نے انھیں ڈسچارج کردیا، جب تک وہ اسپتال میں تھے صفیہ خالہ اور عنبر ان کے گھر تو کبھی اسپتال چکر لگاتی رہیں، آج بھی وہ دونوں ان کی طبیعت معلوم کرنے آئی تھیں۔ بدر صاحب کی طبعیت کی خرابی کے باعث ابشام اکیلے ہی آفس کا کام سنبھال رہا تھا۔ وہ کار پورچ میں کھڑی

کر کے چابی گھماتا دھیرے دھیرے قدم اٹھاتے اندرونی دروازے کی جانب بڑھ رہا تھا کہ اچانک ایک زوردار تصادم ہوا، سامنے عنبر ہی تھی جس نے کبھی دیکھ کر چلنا نہیں سیکھا تھا۔ کچھ ماہ پہلے رونما ہوئے واقع کا سوچتے ہوئے بس اس پر ایک چھبتی نگاہ ڈال کر خاموشی سے اگے بڑھ گیا تھا کیوں کہ اس لڑکی سے کچھ بھی کہنا فضول تھا۔

"اندھے ہو کیا، دیکھ کر نہیں چل سکتے؟ "عنبر کی غصیلی آواز جب اس کی سماعت سے ٹکرائی تو جہاں اس کے بڑھتے قدم تھمے تھے وہیں منہ حیرت سے مارے کھل گیا تھا۔ اپنی غلطی پر نادم ہونے کے بجائے آج بھی اُس پر ناحق برس رہی تھی۔

"عجیب پاگل لڑکی ہے" ابشام بڑبڑایا وہ اس سے الجھنا نہیں چاہتا تھا تبھی ٹکراؤ کے باوجود بھی وہ بنا کچھ کہے اگے بڑھ گیا تھا پر شاید وہ پیار کی زبان سمجھتی ہی نہیں تھی یا اسے کوئی نفسیاتی مسئلہ تھا، اس لیے آج اس کی طبیعت صاف کر دینے کا ارادہ رکھتے وہ اُس تک آیا تھا اور اپنے الفاظ پر زور دیتے ہوئے اس پر طنز کیا۔ "میں تو دیکھ کر ہی چل رہا تھا محترمہ لیکن شاید اتنی بڑی بڑی آنکھیں ہوتے ہوئے بھی آپ کو کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ اس لیے ہر بار مجھ سے ٹکرا جاتی ہیں۔ "عنبر نے کچھ کہنے کے لیے اپنے لب وا ہی کیے تھے وہ دوبارہ بول پڑا تھا۔ "آئندہ میرے سامنے اپنی یہ انگلی نیچے رکھ کر بات کرنا سمجھی تم۔ "اپنی طرف اٹھی انگلی کو سختی سے نیچے کرتا اس کے ہاتھ جھٹکنے میں

دیری نہیں لگائی تھی اور اسے تنبیہ کرتا آگے بڑھ گیا تھا البتہ وہ بے یقینی سے اس کے پشت کو گھور کر رہی تھی۔

جب سے آسیہ بیگم کی معاذ سے بات ہوئی تھی، سوچ سوچ کر ان کا بلڈ پریشر بڑھ گیا تھا اس لیے عمیر انھیں لے کر اسپتال آیا تھا، انھیں انجیکشن لگانے کے بعد ڈاکٹر عمیر سے گویا ہوئی۔ ''انھوں نے کوئی ٹینشن لی ہے کیا؟ ''

''نہیں، ایسی تو کوئی بات نہیں ہوئی ڈاکٹر۔''

عمیر نے جواباً لاعلمی کا اظہار کیا۔ وہ خود بھی حیران تھا کیونکہ پچھلے چند ماہ سے وہ بالکل ٹھیک تھیں، بلڈ پریشر بالکل کنٹرول میں تھا پھر اچانک سے طبیعت بگڑنے کی کیا وجہ ہو سکتی تھی۔

''خیال رکھیں، اس طرح اچانک بی پی سوٹ کر جانا ان کی صحت کے لیے بالکل بھی اچھا نہیں ہے۔ یہ دوائی آپ کھانے کے بعد انھیں دے دیجیے گا۔ ''وہ اب پاس پڑے پیڈ پر کچھ لکھتے ہوئے انہماک سی بولیں تو اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہاں سے دوائی لے کر وہ آسیہ بیگم کو گھر لے آیا۔

''اب کیسی ہیں چچی جان؟ ''

عافی لاؤنج میں پریشانی سے ٹہل رہی تھی جیسے ہی وہ دونوں اندرونی دروازے سے اندر داخل ہوئے وہ آگے بڑھ کر ان کی طبیعت کا پوچھنے لگی۔ ''بہتر ہیں، ڈاکٹر نے آرام کا کہا ہے۔ ''آسیہ بیگم کے بجائے عمیر نے جواب دیا تھا اس کا چہرہ بُجھا ہوا تھا۔

انھیں کمرے میں چھوڑ کر کچھ دیر میں وہ لائبریری کے لیے نکل گیا، اسے کچھ ضروری نوٹ تیار کرنے تھے۔ رات تک آسیہ بیگم کی طبعیت کچھ سنبھلی تو حسن ویلا کے مکینوں نے شکر ادا کیا۔

عادل صاحب نے صبح آسیہ بیگم کو نہیں اٹھایا تھا، وہ تیار ہو کر آفس کے لیے نکل گئے۔ رات کے کھانے کے بعد جب وہ کمرے میں آئے تو آسیہ بیگم نے ان سے بات کرنے کی ٹھانی۔ وہ مزید چپ نہیں رہ سکتی تھی۔

عادل صاحب کو کچھ دنوں کے لیے آفس کے کام کے سلسلے میں ملک سے باہر جانا تھا اس لیے وہ جتنی جلدی ہو سکے موجودہ پروجیکٹ کو مکمل کر لینا چاہتے تھے تاکہ بعد میں کوئی نیا مسئلہ نہ کھڑا ہو جائے۔ وہ لیپ ٹاپ اور فائل اٹھائے اسٹڈی روم میں جانے کی نیت سے بیڈ سے اٹھے تو آسیہ بیگم نے ہمت کر کے انھیں پکارا۔

''سنیں۔ ''

وہ اٹھتے اٹھتے واپس سے بیٹھ گئے تھے۔

"تمہاری طبیعت ٹھیک ہے؟ "انھیں لگا شاید ان کی طبیعت خراب ہے تبھی لہجے میں فکر سموئے ان کی طرف متوجہ ہوئے۔

"جی ٹھیک ہوں اب، مجھے آپ سے ایک بہت ضروری بات کرنی ہے۔ "

آسیہ بیگم نے تمہید باندھی۔

"کیا کہنا ہے کہو میں سُن رہا ہوں۔ "ان کی پوری توجہ آسیہ بیگم کی طرف تھی۔

"معاذ یہ شادی نہیں کرنا چاہتا ہے، وہ کسی اور کو پسند کرتا ہے۔ "آسیہ بیگم نے ڈرتے ڈرتے دو دن پہلے ہوئی گفتگو کے متعلق بتایا اور مقابل سمت خاموشی برقرار دیکھ کر ان کے چہرہ کے تاثرات کو بھانپتے ہوئے دوبارہ بولیں۔ "آپ نبیل بھائی سے۔۔۔ "

"خبردار! خبردار جو اگے ایک لفظ بھی کہا تو۔۔ "عادل صاحب جو بے یقینی سے ان کا چہرہ تک رہے تھے ان کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی کسی بھوکے شیر کی مانند ڈھارتے ہوئے بیڈ سے اٹھ کھڑے ہوئے، آسیہ بیگم سہم کر چپ ہو گئیں انھیں معلوم تھا جو بات وہ ان سے کرنے والی ہیں اسے سُن کر عادل صاحب کا پارہ آسمان کو چھو جائے گا اور بالکل ایسا ہی ہوا تھا۔

"تم نے یہ سوچ بھی کیسے لیا کہ میں ایسا کچھ ہونے دوں گا۔ تمہارے بیٹے کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ اُس سے کہو بڑوں نے جو فیصلہ کیا ہے اُسے خاموشی سے قبول

کرلے ورنہ مجھ سے بُرا کوئی نہیں ہوگا۔"اپنی بات پوری کرکے وہ کمرے سے نکل گئے آسیہ بیگم دم بخود سی صوفے پر گر سی گئیں ایک طرف بیٹے کی خوشی تھی تو دوسری طرف شوہر کا مان، وقار اور خاندان کی عزت، جس کا بھرم رکھنا تھا۔وہ دونوں میں سے کسی ایک کو نہیں چن سکتی تھیں دونوں ہی ان کے لیے عزیز تھے۔

اس دن کے بعد عادل صاحب نے انھیں مخاطب کرنا چھوڑ دیا تھا۔شاید وہ اپنے اس رویے سے دونوں ماں بیٹے کو یہ باور کروانا چاہتے تھے کہ وہ ان کے مخالف جانے کا سوچے بھی نہیں۔آج جب معاذ آفس سے آیا تو آسیہ بیگم چائے دینے اُس کے کمرے میں آئیں تاکہ اُس سے بات کر سکیں ورنہ اکثر عافی ہی اس کی چائے دیتی تھی یا وہ سب گھر والوں کے ساتھ لاؤنج میں پیتا تھا۔اپنی ماں کو کمرے میں دیکھ کر معاذ کی آنکھوں میں امید کی جو کرن جاگی تھی عادل صاحب کا فیصلہ سُن کر وہ ایک پل میں بجھ گئی۔

"آخر وہ سمجھتے کیوں نہیں امی!،ان کی ضد میری اور عافی دونوں کی زندگی تباہ کردے گی۔اس طرح کوئی بھی خوش نہیں رہ پائے گا۔" وہ غصے سے چلاتا ہوا دروازے کو لات مارتا کمرے سے نکل گیا تھا۔آسیہ بیگم بے بسی سے اسے جاتا دیکھتی رہیں، وہ اپنی پوری کوشش کر چکی تھیں۔عادل صاحب نے شادی کی تاریخ طے کرنے میں جلدی دکھائی اور اس دن کی بحث کے بعد گھر میں باہمی مشورے سے ان دونوں کی شادی پکی

کر دی۔اس فیصلے سے جہاں گھر میں سب خوش نظر آرہے تھے وہیں معاذ عنایہ کو کھو دینے کا سوچ کر غم سے نڈھال خود کو کمرے تک محدود کر چکا تھا۔اس نے ٹھیک سے اپنا خیال رکھنا بھی چھوڑ دیا تھا اس کی حالت دیکھ کر آسیہ بیگم کا دل خون کے آنسو روتا تھا وہ بیٹے کے لیے فکر مند تھیں۔

.....

موسم ابر آلود تھا..... عنبر اپنے سینٹر سے نکل کر پچھلے پندرہ بیس منٹ سے کھڑی گاڑی کا انتظار کر رہی تھی پر دور دور تک کوئی ٹیکسی یا بس آتی نظر نہیں آئی۔صفیہ بیگم پریشان نہ ہو جائیں اس لیے وہ گھر فون کر کے بتا دیا تھا۔وہ اپنا موبائل پرس میں ڈال رہی تھی تبھی ایک کار تیزی سے اس کے بالکل نزدیک سے گزری اگر وہ پیچھے نہ ہٹتی تو حادثے کا شکار ہو جاتی۔بدک کر دو قدم پیچھے ہٹتی وہ کار والے کو بُرا بھلا کہنے لگی۔لیکن اب کوئی اس کار کو ریورس لے رہا تھا جسے دیکھ کر عنبر کا دل زور سے دھڑکنے لگا حتی کہ وہ کار اس کے پاس آکر رک گئی۔کار میں بیٹھے شخص نے شاید اُسے پہچان لیا تھا تبھی شیشہ نیچے کرتے ایک نظر اس پر ڈال کر بیک ڈور کھول دیا گیا اور اُسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"میں چلی جاؤں گی "اُس شخص پر نظر پڑتے ہی ایک گہری سانس لیتی وہ سپاٹ لہجے میں کہتی منہ گھما کر کھڑی ہو گئی۔وہ اس کی ضد،اس کی عادتوں سے واقف تھا۔وہ یقیناً

ناراض تھی، تکلیف میں تھی تبھی اس کے لہجے سے بے زاری جھلک رہی تھی ورنہ وہ اپنے دوست کا کہا کب ٹالتی تھی کچھ دیر یونہی اس کے بیٹھے کا انتظار کرنے پر بھی وہ ٹس سے مس نہ ہوئی تو اسے مجبوراً کار سے اترپڑا۔

"کیا سوچ رہی ہو، اپنی ضد چھوڑ دو یار اور چلو میرے ساتھ۔ دیکھو شاید تیز بارش ہونے والی ہے۔"

موسم کے بدلتے تیور دیکھ اس نے اصرار کیا تھا۔

"میں نے کہا نا! میں خود چلی جاؤں گی۔ تمہیں میرے لیے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم جاؤ یہاں سے۔"

عنبر اُسے جتنی بار بھی دیکھتی تھی ساری یادیں تازہ ہو جاتی تھیں۔ نا جانے کیوں وہ ہر بار منع کرنے کے باوجود بھی اس کے سامنے آجاتا تھا اب بھی اس کا دل عجیب درد سے دوچار ہوا تھا، خود کو سنبھالتی درشتی سے کہتے وہ آگے بڑھ گئی۔ پر مقابل کافی ڈھیٹ ثابت ہوا تھا، وہ بھی دوڑتے ہوئے اس کے پیچھے آیا۔ اتنے میں گرج چمک کے ساتھ بارش شروع ہو گئی اور چار و ناچار اُسے اس کی مدد لینا پڑی۔ کار سے اُتر کر وہ دوڑتے ہوئی گھر گیٹ تک پہنچی تھی پھر بھی پوری طرح بھیگ گئی تھی۔

"جب پتا تھا موسم خراب ہے تو چھتری ساتھ لے کر جانا تھا یا کم از کم جلدی آجاتی۔ "
اُسے چھینک پر چھینک مارتا دیکھ کر صفیہ بیگم غصے سے بولیں۔ "ماما!، اب آپ غصہ تو نہ کریں"۔اس نے چھینک روکتے ہوئے بمشکل کہا اور اپنے بالوں کو تولیے سے خشک کرنے لگی۔

"اب میرا غصہ کرنے کا بھی حق نہیں ہے۔تم دونوں باپ بیٹی کسی کی بھی نہیں سنتے۔ "وہ انجانے میں بولتی اس کے لیے ادرک والی چائے بنانے کچن کی جانب بڑھ گئیں البتہ عنبر نے ان کی باتوں پر غور کیا تو اس کا چہرہ اتر گیا تھا۔اتنے دنوں بعد اپنے بابا کا ذکر سُن کر دل میں ٹیس سی اٹھی۔انھیں اس دنیا سے رخصت ہوئے ڈھائی سال کا عرصہ گزر گیا تھا پر آج بھی اس کی ماں کی زبان پر ثبت رہتے تھے۔عنبر بھی شدت سے انھیں مس کرتی تھی۔اس کی آنکھ سے نایاب موتی ٹوٹ کر گیلے بالوں میں جذب ہو گئے۔وہ تولیہ پھینکتی روتی ہوئی کچن میں آئی اور صفیہ بیگم کے گلے لگ گئی۔اسے اچانک خود سے لپٹا دیکھ کر وہ حیران ہوئیں۔

"کیا ہوا ہے میری جان؟ "پھر لہجے میں پیار سموئے اس کے بالوں پر پیار سے ہاتھ پھیرتے بولیں تو اس نے اپنی گرفت اور مضبوط کر لی۔

ڈنر بھی اس نے بے دلی سے کھایا تھا، صفیہ بیگم کو ان کے کمرے میں چھوڑ کر اوپر چلی آئی تھی۔ باہر بارش نے زور پکڑ لی دوسری طرف بار بار اس کی آنکھیں نم ہو رہی تھیں جسے وہ اپنے انگلیوں کے پوروں سے صاف کر رہی تھی۔ وہ بیڈ پر لیٹی کروٹیں بدلتی رہی لیکن جب نیند اس پر مہربان نہ ہوئی تو اٹھ کر الماری سے پرانی البم نکال کر دیکھنے لگی۔ ہر تصویر میں دونوں باپ بیٹی ساتھ کھڑے مسکرا رہے تھے اس البم میں اس کی فیملی مکمل تھی۔

"آپ کیوں چلے گئے بابا۔ "وہ رو رہی تھی۔ آنسوؤں کی روانی میں یک دم تیزی آگئی تھی۔ وہ ان کی تصویر کو سینے سے لگائے اس طرح ہمکلام تھی جیسے وہ اس کے سامنے بیٹھے اُسے سُن رہے ہوں۔ "ماما بھی آپ کو بہت مس کرتی ہیں بابا!، وہ اپنا دکھ، اپنی ہر تکلیف مجھ سے چھپا لینا چاہتی ہیں تاکہ میں دُکھی نہ ہو جاؤں۔ پر ان کی آنکھیں بولتی ہیں بابا۔ وہ چیخ چیخ کر اُن کے اندر ہوئی توڑ پھوڑ کو مجھ پر عیاں کر دیتی ہیں پھر مجھ سے ضبط نہیں ہوتا۔ "وہ ہچکیوں کے ساتھ روتی اپنا غم ہلکا کر رہی تھی۔ "آپ کہتے تھے عنبر بہت بہادر ہے... میں بہادر نہیں ہوں.... مجھے آپ کی ضرورت ہے پلیز لوٹ آئیں ۔ "پھنسی پھنسی آواز کے ساتھ کہتی وہ گھٹنوں میں سر دیے پھوٹ پھوٹ کر روتی رہی۔ رات کے کس پہر اُس کی آنکھ لگی تھی اس کے علم میں نہیں تھا۔ صبح جب صفیہ

بیگم اس کے کمرے میں اُسے اٹھانے آئیں تو اس حال میں دیکھ کر وہ جان گئیں کہ وہ رات بھر سوئی نہیں تھی۔ البم ہاتھ سے نکال کر تپائی پر رکھا اور اگے بڑھ کر اُسے چھوا تو اس کا جسم بخار سے تپ رہا تھا۔ ان کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے، دنوں باپ بیٹی کا پیار انھیں نہال کر دیتا تھا، اب اُس کی ویران آنکھوں کو دیکھ کر وہ تڑپ اٹھتیں، کتنی دیر تک جب ٹھنڈی پٹی رکھنے کے باوجود بھی بخار میں کوئی فرق نہیں آیا تو انھوں نے ابشام کو فون کر کے گھر بُلایا تاکہ اسے اسپتال لے کر جا سکیں۔

"کچھ بول بھی دو اب۔" نرمین کو خاموش بیٹھی دیکھ کر عافی نے تپ کر کہا۔

"بات مت کرو مجھ سے۔۔۔ تمہاری شادی ہو رہی اور تم نے مجھے بتانا بھی ضروری نہیں سمجھا۔" نرمین نروٹھے لہجے میں بولی تو عافی اسے گھور کر رہ گئی۔ نرمین اور وہ کالج کے اوّل روز سے ساتھ تھیں اور ان چھ سات سالوں میں دونوں کی دوستی گہری ہوتی چلی گئی، آج اتنے دنوں بعد نرمین اُس سے ملنے آئی تھی اور آتے ہی جو خبر ملی، اُسے شدید صدمہ پہنچا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی اس کی دوست اتنی بڑی بات اُس سے چھپائے گی۔

"سب کچھ اتنی جلدی میں ہوا میں خود حیران ہوں اور تم۔۔۔ تمہیں کیسے بتاتی، خود تو تم اپنی خالہ کے گھر جا کر بیٹھ گئی تھی۔ مجھ سے بات تک کرنے کی تو فرصت نہیں ملی

تمہیں۔ ''عافی نے ناراضی کا اظہار کیا۔ ''تمہیں پتا تو ہے اُن کے گھر کا ماحول یہاں سے کتنا مختلف ہے۔ ''نرمین افسوس کے ساتھ ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے بولی تو اُس نے ناراضی بھلائے زرکہ بیگم کی طبعیت کے متعلق پوچھا۔ ''اب کیسی ہیں وہ؟''، ''پہلے سے کافی بہتر ہیں، ڈاکٹر نے مکمل بیڈ ریسٹ کا بتایا ہے۔ ''نرمین کی خالہ۔۔زرکہ بی بی، ایک چھوٹے سے گاؤں میں رہتی تھیں، حال ہی میں ہارٹ بائے پاس ہوا تھا بس اس لیے پیپرز ختم ہوتے ہی نرمین اپنی والدہ کے ساتھ ان کے پاس چلی گئی تھی، نرمین کی خالہ کی فیملی کافی پرانے خیالات رکھتی تھی، لڑکیوں کو گھر سے باہر نکلنے تک کی اجازت نہ تھی، گھر میں ہی ابتدائی تعلیم دلوائی جاتی، موبائل استعمال کرنا دور کی بات کسی سے میل ملاپ رکھنا، دوستیاں بڑھانا بھی معیوب سمجھا جاتا، بس اس لیے وہ عافی سے رابطہ نہیں کر پائی تھی۔

''اچھا چھوڑو۔۔۔ایک بات بتاؤ تم، کیا معاذ شادی کے لیے مان گیا، اور وہ گمشدہ لڑکی؟ ''نرمین نے حیرانی اور تجسس میں گھیرے عافی سے معاذ کی خفیہ محبت کے بارے میں پوچھا جس کا ذکر کرتے ہوئے عافی اکثر اُداس ہو جایا کرتی تھی۔

''نہیں یار!، اس دن کے بعد ڈائری ملی ہی نہیں۔ ''عافی بجھے چہرے کے بولتی اداس ہو گئی تو نرمین نے اُسے ٹوکا۔ ''اف لڑکی۔۔پاگل مت بنو، اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو

معاذ کا کوئی تو ردعمل ہوتا، ہو سکتا ہے ایسی کوئی بات ہی نہ ہو اور تم بلاوجہ ہی پریشان ہو رہی ہو۔"، "کاش ایسا ہی ہو۔ "عافی نے دل میں دعا کی۔

کچھ دنوں بعد مہندی کی تقریب تھی۔ جو بڑی دھوم دھام سے اپنے اختتام کو پہنچی۔ ہر طرف گہما گہمی اور خوشی کا سماں تھا، ڈھولکی اور گانے کی مدھر آواز فضا میں بکھری ہوئی تھی۔ برقی قمقموں اور پھولوں سے پورے گھر کو دلہن کی طرح سجایا گیا تھا۔ گھر کی بڑے اور کچھ آنٹیاں لان میں رکھی کرسیوں پر بیٹھیں باتوں میں مصروف تھیں وہیں لاؤنج کے ساتھ بنے کمرے میں عافی اور اس کی سہیلیاں بیٹھی تھیں۔ اُس نے نفیس سا مہرون رنگ کا کام دار فراک زیب تن کیا ہوا تھا، بالوں کو خوبصورتی سے اسٹائل دے کر اُن پر پھول لگائے تھے۔ ہاتھوں میں مہندی لگائے وہ دوستوں کے درمیان بیٹھی تھی۔ اس کی دوستیں اُسے معاذ کا نام لے کر چھیڑ رہی تھیں۔ کن آنکھیوں سے انھیں چُپ رہنے کا کہتی وہ دل ہی دل میں خوش ہو رہی تھیں تبھی دروازے پر کسی نے دستک دی، نرمین قریب بیٹھی تھی اس نے ہی دروازہ کھولا تھا۔ سامنے معاذ رف سے حلیے میں کھڑا عافی کا پوچھ رہا تھا۔ اُس چہرے پر سنجیدگی دیکھ کر نرمین نے اندر کی جانب اشارہ کیا ۔اس کے سامنے سے ہٹتے ہی معاذ کمرے میں داخل ہوا، سب پر ایک نگاہ ڈالتے ہوئے عافی کے قریب آیا۔

"بات کرنی ہے تم سے۔ "اس کی مہندی لگی ہاتھوں کی پرواہ کیے بغیر اسے سختی سے پکڑ کر کھڑا کرتے اُسے اپنے ساتھ چلنے کو کہتا وہ آگے نکل گیا۔اس کی حرکت پر ساکت اور پریشان ہوتی عافی خاموشی سے اس کے پیچھے چلنے لگی جبکہ اس کی دوستیں ایک دوسرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھ کر رہ گئیں۔

".................

پچھلے دو روز تک عنبر کو تیز بخار رہا جس کے باعث کافی کمزوری ہو گئی تھی۔آج بخار میں کمی آئی تو صفیہ بیگم اُسے زبردستی لاؤنج میں لے آئیں تاکہ وہ جلد ٹھیک ہو جائے ۔وہ یہاں واقعی اچھا محسوس کر رہی تھی ورنہ اپنے کمرے میں بیڈ پر پڑے پڑے اس کا پورا جسم دُکھنے لگا تھا۔صفیہ بیگم اُسے سوپ کی پیالی تھما کر اُسے ختم کرنے کا کہتیں باہر لان میں لگے پودوں کو دیکھنے چلی گئیں، جنھیں اس کی بیماری میں بالکل بھول گئی تھیں ۔وہ ناچاہتے ہوئے بھی سوپ اپنے حلق سے نیچے اتارنے کی سعی کر رہی تھی جو بخار کی وجہ سے بالکل بے ذائقہ لگ رہا تھا۔اس نے پیالہ خالی کر کے میز پر رکھا اور گلاس میں پانی انڈیل رہی تھی تبھی ،صفیہ بیگم کے ساتھ ابشام سلام کرتے ہوئے لاؤنج میں داخل ہوا تھا۔عنبر نے اُسے دیکھا پھر نرمی سے سلام کا جواب دیتے گھونٹ بھرنے لگی ۔ "تم دونوں بیٹھ کر بات کرو، میں ذرا کچن سے ہو آتی ہوں۔ "وہ اسے لاؤنج میں

چھوڑ کر کچن میں چلی گئیں، ابشام نے قریب ہی رکھے صوفے پر ٹانگ پر ٹانگ چڑھا کر بیٹھتے ہوئے اس کے زرد ہوتے چہرے پر سرسری نگاہ ڈالتے بولا۔ ''کیسی ہو؟''، ''ٹھیک ہوں، آنکل کیسے ہیں؟ ''رسانیت سے کہتی وہ بدر صاحب کے متعلق پوچھنے لگی ۔ ''میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ تم اتنی کمزور بھی ہو سکتی ہو کہ بارش میں بھیگ کر اس طرح بیمار ہو جاو۔ ''ابشام کو کچھ سمجھ نہیں آیا اس سے کیا بات کرے اس لیے سلسلہ کلام جوڑنے کی کوشش کی مگر اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر وہ جان گیا تھا کہ اس نے پوچھ کر غلطی کر دی ہے۔ اچھا ہوا کہ صفیہ بیگم چائے کی ٹرے سنبھالے وہاں آ گئی تھیں۔ انھوں نے ٹرے میز پر رکھ کر ایک کپ ابشام کو تھمایا اور دوسری خود لیے وہیں صوفے پر بیٹھ گئیں۔ کافی دیر تک وہ یونہی بیٹھا باتیں کرتا رہا جب وہ گھر کے لیے نکلنے کے لیے اٹھا تو انھوں نے اسے رات کے کھانے پر روک لیا تھا۔ وہ ان کی محبت پر وارے جاتا ورنہ جب وہ پاکستان سے باہر تھا ان رشتوں کو بہت مس کرتا تھا۔

ٹھیک ہوتے ہی عنبر نے دوبارہ سے سینٹر جانا شروع کر دیا، وہ بزنس کے طالب۔ علم کی کلاسس لیتی تھی۔ بچوں کے پیپر شروع ہونے والے تھے پر پچھلے دنوں بخار کی وجہ سے اُسے چھٹیاں لینی پڑی تھی جس کا اسے بہت افسوس تھا۔ عنبر یہ جاب مجبوری میں نہیں بلکہ اپنی خوشی سے خود کو مصروف رکھنے کے لیے کر رہی تھی اور صفیہ بیگم نے

بھی کبھی اسے منع نہیں کیا تھا، پہلے وہ تابش (بھتیجے) کے ساتھ مصروف رہتی تھی لیکن دو سال قبل جنید اپنی جاب کی وجہ سے واشنگٹن میں اپنی فیملی (سارہ "وائف" اور تابش "بیٹے") کے ساتھ شفٹ ہو گیا تھا۔ ہر ماہ ان کے اخراجات کے لیے رقم بھیجتا رہتا تھا۔

صفیہ بیگم لاؤنج میں بیٹھی ٹی وی پر پروگرام دیکھ رہی تھیں جب عنبر چائے کی پیالی انھیں تھماتے ہوئے اُن کے ساتھ آکر صوفے پر بیٹھ گئی۔ وہ کچھ دیر پہلے ہی سنیٹر سے لوٹی تھی، آج کام زیادہ ہونے کی وجہ سے وہ بالکل تھکی ہوئی تھی۔ صفیہ بیگم نے اس کے اُترے چہرے کو دیکھ کر اُسے پکارا۔ ''عنبر''، ''جی ماما۔'' عنبر چائے کے گھونٹ بھرتے ہوئے آہستگی سے بولی۔ ''میں چاہتی ہوں اب تمہاری شادی کر دوں'' عنبر نے سوالیہ نظروں سے اُنھیں دیکھا جیسے پوچھ رہی ہو ''کیوں؟''

''جنید (عنبر کا بھائی) بھی ملک سے باہر ہے، میرے بعد تمہیں کون سنبھالے گا عنبر، میں چاہتی ہوں جتنی جلدی ہو سکے اپنے اس فرض سے سبکدوش ہو جاؤں، اب منع مت کرنا'' اُسے خاموش پا کر انھوں نے اپنی فکر مندی ظاہر کی، جب بھی وہ اُسے شادی کا کہتیں وہ صاف انکار کر دیتی تھی، اس کا یہی کہنا تھا کہ ''ماما۔۔۔ میں آپ کو یوں تنہا نہیں چھوڑ سکتی، میں چلی جاؤں گی تو آپ کا کون خیال رکھے گا؟'' اور وہ چُپ ہو جاتیں اس کی ضد کے آگے وہ ہمیشہ ہار جاتی تھیں۔

"آپ کو مجھے خود سے دور کرنے کی بڑی جلدی ہے نا۔ "وہ آنکھوں میں ناراضی لیے بولی تھی۔ "جلدی نہیں۔۔پر ایک نہ ایک دن تمہیں شادی کر کے جانا ہی ہے پھر آج کیوں نہیں؟ "صفیہ بیگم نے اپنی ہر بار کہے جملہ دہرایا جسے اس نے مجھے وقت چاہیے کہہ کر ٹال دینا ضروری سمجھا۔وہ محبت کے پٹتے صحرا میں بھٹکی ہوئی لڑکی تھی اسے اس کا من چاہا شخص نہیں مل پایا تھا پر محبت بھی اب نہیں رہی تھی۔کچھ حادثے آپ کی معصوم دل کو زخمی کر دیتے ہیں اس کا دل بھی زخمی ہوا تھا۔

صبح عافی کی ماما اُس کے کمرے میں ناشتہ لے کر آئیں تو وہ سو رہی تھی،اُسے آواز لگاتیں وہ ناشتے کی ٹرے بیڈ کی سائیڈ پر رکھ کر اُس کے پاس آ کر بیٹھ گئیں۔آواز دینے پر اس نے اپنی خمار آلود آنکھوں کو کھولا اور انھیں سامنے دیکھتے ہی اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"ماما آپ،آپ کب آئیں؟ "وہ اپنے بالوں کو جوڑا بناتے ہوئے بولی۔ "بس ابھی۔ "اس کی سرخ ہوتی آنکھوں کو دیکھ کر وہ پریشان ہوئی تھیں۔ "تم رو رہی تھی؟ "اس کے چہرے پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے استفسار کیا پھر اس کے ہاتھ پر نظر پڑتے ہی اس کا دایاں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے سوالیہ نظروں سے اُسے دیکھا گویا اُس سے پوچھ رہی ہوں کہ یہ کیسے خراب ہوئی۔ "اف ماما!،میں کہاں رو رہی تھی رات میں دیر سے آنکھ لگی بس اس لیے آپ کو لگ رہا ہو گا۔"

اس نے نظریں چڑاتے جھوٹ کہا اور بستر سے اُتر کر واش روم میں گھس گئی۔ ناشتہ کے بعد مسز نبیل اُسے کپڑے تبدیل کرنے کا کہہ کر رات میں پہننے کے لیے عروسی لباس، زیورات اور دوسری چیزیں نکال کر بیڈ پر رکھنے لگیں۔ انھیں الماری میں سے اس کی کپڑے نکالتے دیکھ کر وہ تڑپ اٹھی، باوجود ضبط کے کئی آنسو ٹوٹ کر اس کے رخسار پر گرے جسے اس نے بے دردی سے صاف کیا تھا اور چلتی ہوئی قریب آکر ان کے گلے لگ کر رونے لگی تو مسز نبیل حیران ہوئیں، پھر اس کا چہرہ اپنے سامنے کر کے عافی کے آنسو صاف کرتے ہوئے پوچھا، اس نے بنا کچھ کہے دوبارہ سے ان کے گرد بازوں سے اپنا حصار بنالیا۔

سارا دن رات کی فنکشن کی تیاری کے نذر ہو گیا، بس کچھ دیر میں انھیں ہال کے لیے نکالنا تھا۔ جہاں سب خوشی خوشی تیاریوں میں مگن تھے وہیں معاذ اپنے کمرے میں پریشانی سے ٹہل رہا تھا، رات کو عافی سے اُس نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ وہ اُس سے شادی نہیں کرنا چاہتا ہے کیوں کہ وہ عنایہ سے محبت کرتا ہے، عادل صاحب کے کہنے پر مجبوری میں وہ اُس سے شادی تو کر لے گا پر ساری زندگی اُسے وہ خوشی نہیں دے پائے گا جس کی وہ اس سے امید لگائے بیٹھی ہے، اس لیے بہتر ہو گا کہ وہ خود ہی اس شادی سے انکار کر دے۔ ورنہ وہ اس سے کسی بھی قسم کی کوئی توقع نہ رکھے۔ لیکن اب وہ

پچھتا رہا تھا کاش وہ تھوڑی ہمت دکھا کر سب کے سامنے پہلے ہی اس شادی سے انکار کر دیتا تو اتنے دنوں سے جس اذیت میں مبتلا تھا اُسے ان حالات سے گزرنا نہیں پڑتا جو بھی تھا عافی اُس کی کزن تھی، وہ زبردستی کی شادی کر کے اُس کی زندگی برباد نہیں کر سکتا تھا، یہ سوچ کر اس کا سر درد سے پھٹنے لگا، وہ اپنے انگلیوں کی مدد سے مسل کر پر سکون ہونے کی کوشش میں لگا تھا، گہری سانس بھرتے ہوئے وہ وہی بیڈ پر بیٹھ گیا۔

"اف یہ میں نے کیا کر دیا، اُسے کتنی بڑی مصیبت میں پھنسا دیا، بابا کی مخالف جانے کی میری ہمت نہیں ہوئی تو وہ لڑکی ہو کر یہ سب کیسے کرے گی۔ "وہ بڑبڑاتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

"بابا کو پتا نہیں کیوں اپنی انا عزیز ہے۔ "اور خود کلامی کرتا کمرے سے نکل گیا۔

دیر میں سبھی گھر والے ہال کے لیے نکل گئے، عمیر عبیرہ (پھوپھو زاد) کے ساتھ عافی کو پارلر سے پک کرنے کے بعد اُسے ڈریسنگ روم میں چھوڑ کر باقی انتظامات دیکھنے چلا گیا۔ اُس کے ساتھ بیٹھیں اس کی دوستیں اور کزن اس کے خوبصورت سراپے کو رشک بھری نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔ وہ عروسی لباس میں ملبوس آسمان سے اُتری کوئی پری معلوم ہو رہی تھی، تعریف سُن کر وہ ناچاہتے ہوئے بھی زبردستی مسکرانے پر مجبور تھی ورنہ اس کا دل بے طرح دھڑک رہا تھا، ایک طرف اپنی محبت کو کھو دینے کا درد تھا

تو دوسری طرف آج جو قدم وہ اٹھانے والی تھی یہ سوچ کر اس کا دل رو رہا تھا، وہ جانتی تھی کہ اس کے اس عمل سے اس کے ماں باپ کی کتنی بے عزتی ہو گی، لیکن وہ معاذ سے کیے وعدے کو بھی توڑ نہیں سکتی تھی، محبت کی اس جاک دار راہ میں اس نے قربانی دینے کا فیصلہ کیا تھا، خود کو مسترد کیے جانے کے غم سے زیادہ اسے اس کی اسیری کا قرض ادا کرنا تھا۔ وہ بجھے چہرے کے ساتھ بیٹھی محو سوچ تھی تبھی مسز نبیل اور آسیہ بیگم اندر داخل ہوئیں۔

.....

آج وہ اپنے کلائنٹ کے ساتھ ڈنر کے لیے آفس سے کچھ فاصلے پر بنے اس خوبصورت ریسٹورنٹ میں آیا تھا۔ ڈنر سے فارغ ہو کر وہ اپنی گاڑی کی جانب بڑھا تھا کہ کسی کے پکارنے پر رک کر آس پاس دیکھنے لگا۔

"ابشام..." اُس کے کندھے پر ہاتھ مارتے دریاب نے پکارا۔ اپنی عقب سے آتی آواز پر پلٹ کر دیکھا تو یکدم ہی مسکراہٹ اس کے چہرے پر پھیل گئی۔

"دریاب تم یہاں" اُسے دیکھ کر ابشام نے خوشی اور حیرت کے ملے جلے تاثرات لیے پوچھا۔ بہت دنوں سے ان کی ملاقات نہیں ہو پائی تھی۔

"ہاں یار عاقب کے ساتھ آیا تھا(اُس نے اپنے بچپن کے دوست کا ذکر کیا جسے وہ پہلی بار مل چکا تھا)۔تم کہاں ہوتے ہو بھئی آج کل.... نظر ہی نہیں آتے؟ "دریاب نے شکایت کی۔

"بس یار.....آفس اور گھر۔"ابشام اپنی مصروفیات سے اگاہ کر کے اسے بدر صاحب کے ساتھ ہوئے حادثے کے متعلق بتانے لگا۔دریاب کو بدر صاحب کی طبعیت کا معلوم ہوا تو اس نے افسوس کا اظہار کیا۔حادثے کے دوران وہ شہر سے باہر تھا پھر ابشام اپنی مصروفیات میں اسے بتانا بھول گیا تھا۔وہ دونوں کچھ دیر کھڑے بات کرتے رہے پھر اپنے اپنے گھر کے لیے نکل گئے۔

.....

"عنبر..... "وہ کتابوں کا ڈھیر لیے سیڑھیاں چڑھ رہی تھی ابشام کے پکارنے پر وہ رک کر اگے بولنے کا انتظار کرنے لگی۔ایک ہفتے میں دوسری بار اپنے گھر میں دیکھ کر اس کا منہ بن گیا تھا۔

"بولو۔۔۔کوئی کام ہے؟ "سپاٹ لہجے میں پوچھا گیا جیسے وہ اس کا وقت ضائع کر رہا ہو۔

"خالہ جان۔۔۔خالہ جان کہاں ہیں؟ "وہ کچھ دیر پہلے ہی آیا تھا میڈ نے دروازہ کھولا تھا تو وہ سیدھا اندر آ گیا۔وہ پچھلے کچھ دنوں سے اُسے ان کے گھر آتی دیکھ رہی تھی اس لیے کوئی سوال جواب نہیں کیا تھا، عنبر کو اوپر جاتے دیکھ کر صفیہ بیگم کے متعلق پوچھا

۔

"کچن میں دیکھا؟ "ناگواری سے اس پر ایک نگاہ ڈال کر اس نے کچن کے جانب اشارہ کیا اور بولتی سیڑھیاں چڑھنے لگی۔

"لگتا ہے کبھی انسانوں کی طرح پیار سے بات کرنا ہی نہیں سیکھا اس لڑکی نے، دفع کرو میں کیوں اپنا دل دماغ خراب کروں اس کے پیچھے۔ "اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر ہی اس کا اچھا خاصا موڈ خراب ہو گیا تھا۔وہ بڑبڑاتے ہوئے کچن کی جانب بڑھ گیا جہاں صفیہ بیگم کھڑی بریانی تیار کرنے میں مصروف تھیں۔

واہ خوشبو تو بڑی اچھی آ رہی ہے خالہ جان!، یقیناً بریانی بھی مزے کی ہو گی۔"سلام کرتے جیسے ہی اس نے کچن میں اپنے قدم رکھے نتھنوں سے اشتہا انگیز خوشبو ٹکرائی تو اس نے دل سے تعریف کی۔صفیہ بیگم بریانی کو دم پر رکھ کر رائتہ تیار کر چکی تھیں، ابشام کو دیکھ کر ان کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ "تم کب آئے؟ "انھوں نے پوچھا۔ "بس ابھی جب آپ یہ لذیذ ڈیش تیار کرنے میں مصروف تھیں۔ "وہ ہنستے

ہوئے کہا۔صفیہ بیگم نے سلاد کے لیے کھیرے ٹماٹر پیاز اور باقی چیزیں نکال کر سلپ پر رکھا اور اس کے کٹلے کرنے لگی تھیں تبھی وہ اگے بڑھ کر چھڑی ان کی ہاتھ سے لیتے ہوئے بولا۔ ''اسے مجھے دیں میں کر دیتا ہوں۔ ''صفیہ بیگم کے منع کرنے کے باوجود بھی وہ ان سے چھڑی لے کر اب مہارت سے کھیرے کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر رہا تھا البتہ اس سبک رفتاری سے سب کام کرتے دیکھ وہ کھڑی حیران پر حیران ہو رہی تھیں۔پیاز کاٹتے ہوئے اس کی سیاہ رنگ آنکھیں مسلسل آنسو بہانے کا کام سرانجام دے رہیں تھی۔

''ماما۔۔۔میں۔۔''عنبر کتابوں کو سیٹ کر کے صفیہ بیگم کو آواز لگاتی کچن میں داخل ہوئی پر ابشام کو اس طرح کام کرتے پایا تو صفیہ بیگم کی جانب سوالیہ نظروں سے دیکھا، پھر خاموشی سے پلیٹ اٹھا کر ڈائننگ ٹیبل پر سجانے لگی۔

''خالہ جان! آپ کے ہاتھوں میں تو جادو ہے اتنے مزے دار بریانی بنائی ہے میرا دل کر رہا ہے اب سے میں یہیں رک جاؤں تاکہ آپ کے ہاتھوں کی مزے دار پکوان سے لطف اندوز ہو سکوں۔ ''کھانے کی میز پر بیٹھا وہ اپنی پلیٹ میں دوبارہ بریانی نکالتے ہوئے بولا تو صفیہ بیگم قہقہہ بلند ہوا۔

ابشام کے جانے کے بعد دونوں ماں بیٹی لاؤنج میں بیٹھی شام کی چائے کی چسکیاں لے رہی تھی، عنبر صوفے پر اپنے دونوں پیر اوپر کیے بیٹھی مطالعے میں مصروف تھی جبکہ اس کے برابر میں بیٹھی صفیہ بیگم چائے کی گھونٹ بھرتے ہوئے اُسے خاموشی سے دیکھتی رہیں۔

"طبیعت ٹھیک ہے تمہاری؟ "صفیہ بیگم ابشام کے ساتھ اپنی بیٹی کی اس خشک رویے کو لے کر پریشان تھیں۔ "جی ماما! مجھے کیا ہونا ہے؟ "نظریں اب بھی کتاب پر مرکوز تھی ورق پلٹتی وہ انہماک سے بولی۔ "پھر آج کل تم اتنی خاموش کیوں رہنے لگی ہو عنبر!، کیا ابشام کا یہاں آنا تمہیں اچھا نہیں لگتا؟ "

عنبر کچھ سالوں پہلے ہوئے اس حادثے کے بعد سنجیدہ ہو گئی تھی لیکن پھر بھی وہ آسانی سے لوگوں میں گھل مل جانے والی لڑکی تھی، کچھ ماہ سے صفیہ بیگم اس کے رویے میں حد سے تجاوز ہو جانے والی خاموشی کو نوٹ کر رہی تھیں، جو شاید ابشام کے آنے سے وجہ آئی تھی انھیں ایسا ہی لگا تھا تصدیق کے لیے وہ پوچھے بغیر نہ رہ سکیں۔

"نہیں ماما!، مجھے کیا مسئلہ ہونا ہے۔ "اسے ابشام کا یوں اپنے گھر میں اچھا نہیں لگتا تھا پر سچ بتا کر وہ اپنی ماں کو دکھی نہیں کر سکتی تھی، آج کل وہ ابشام کی موجودگی میں ہی بہت خوش نظر آتی تھیں، اس نے نظریں جھکائے جھوٹ کہا، "پھر جب بھی وہ یہاں

آتا ہے تم اس طرح خاموش کیوں ہو جاتی ہو، اُس سے ٹھیک طرح سے بات تک نہیں کرتی۔" انھوں نے کئی دنوں سے ذہن میں ابھرتے سوالات کو سامنے رکھا، وہ جاننا چاہتی تھیں اس کے دماغ میں آخر کیا چل رہا ہے وہ اس کی حرکت کے پیچھے کی وجہ جاننا چاہتی تھیں۔ "مجھے سمجھ نہیں آتا میں اُس سے کیا بات کروں۔ "اُس نے اپنے ہاتھوں پر نظر مرکوز کیے کہا۔ ابشام کی موجودگی اور اپنی ماں کے ساتھ اس کی اٹیچمنٹ اُسے کسی کی یاد دلاتی تھی، اس لیے چاہ کر بھی وہ اس کے ساتھ نارمل نہیں رہ پاتی تھی۔ "کم از کم اس کے پوچھے گئے سوالات کا جواب دے دیا کرو عنبر۔ "ان کے لہجہ التجائی تھا اس کے رویے سے انھیں دکھ پہنچا تھا وہ کئی ابشام کے سامنے شرمندہ بھی ہوئی تھیں۔ اس کے سخت رد عمل کی وجہ سے ابشام خاموشی سے ان کی طرف دیکھ کر رہ جاتا تھا۔ انھوں نے اس کی پرورش میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی پر عنبر میں آئی تبدیلیاں انھیں بے چین کیے ہوئے تھیں۔

.....

"ماشاءاللہ بہت پیاری لگ رہی ہو میری جان۔ "مسز نبیل اس کے قریب آکر اُس کا ماتھا چومتے ہوئے بولیں عافی کو نا چاہتے ہوئے بھی مسکرانا پڑا۔ کچھ دیر میں مولوی صاحب آجاتے پھر نکاح کی رسومات ادا کی جاتی۔ عافی نے فیصلہ کر لیا تھا وہ مولوی

صاحب کے سامنے نکاح سے انکار کر دے گی کیوں کہ اس شادی کو روکنے کا اس کے پاس یہی آسان راستہ تھا۔اس کی رضامندی شامل نہیں ہو گی تو اُس وقت سب کے سامنے کوئی کچھ بھی نہیں کر سکے گا۔پر اپنی سوچ کو عملی جامہ پہنانا ایک مشکل مرحلہ تھا کیوں کہ ایسے اقدام اٹھانے میں بہت ہمت چاہیے ہوتی ہے اور سب کی چہروں پر سجی خوشگوار مسکراہٹیں اسے اندر ہی اندر مار رہی تھیں۔ بمشکل ہی اس نے آنسوؤں کو باہر آنے سے روک رکھا تھا ورنہ وہ ابل کر باہر آنے کو بے تاب تھے۔آسیہ بیگم نے بھی اس کی بلائیں لی تھیں بے شک اس شادی میں معاذ کی مرضی شامل نہیں تھی لیکن عافی انھیں اپنے بیٹے کی طرح ہی عزیز تھی،شاید انھوں نے سمجھوتہ کر لیا تھا یا انھیں یقین تھا کہ معاذ شادی کے بعد عافی کو کسی بھی قسم کی تکلیف نہیں پہنچائے گا،شاید اس لیے بھی کہ وہ اس کی کزن ہے۔

"ماما!،مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔ "وہ دونوں عافی کے قریب بیٹھی مولوی صاحب کے آنے کا انتظار کر رہی تھی تبھی عمیر دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا اس کی سانس پھولی ہوئی تھی اور آتے ہی آسیہ بیگم کو اشارہ کر کے اپنے قریب بلایا۔آسیہ بیگم اس کی ہڑبڑاہٹ،ماتھے پر بل دیکھ کر کچھ پریشان ہوئی تھیں۔"کیا ہوا عمیر؟ "اور اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئیں جبکہ مسز نبیل اور عافی نے نظروں کا تبادلہ کیا تھا،پھر

نا سمجھی سے عمیر کے جانب دیکھنے لگیں۔ ''بھائی۔ ''معاذ کا ذکر کرتے ہی عمیر نے سر جھکا لیا۔ ''کیا ہوا ہے معاذ کو؟ ''وہ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے پریشانی سے بولیں انھیں لگا معاذ کے ساتھ کوئی حادثہ پیش آیا ہے۔ ''ماما! معاذ نہیں ہے یہاں۔ ''عمیر منمنایا۔ یہ سن کر مسز نبیل جو عافی کے ساتھ بیٹھی تھیں وہ بھی عجلت میں اس کے قریب آئیں۔ ''کیا بات ہے عمیر ٹھیک سے بتاؤ، یہاں نہیں ہے تو پھر معاذ کہاں ہے؟ ''اس بار مسز نبیل نے پوچھا۔ وہاں کھڑے تمام نفوس کو یکبارگی سے پریشانی نے گھیر لیا تھا۔ "تائی جی وہ کہیں چلا گیا ہے، تایا جی سے کہہ کر گیا تھا وہ کچھ دیر میں آجائے گا بہت ضروری کام سے جا رہا۔ لیکن اب نکاح خواں بھی آگئے ہیں، اس لیے بابا نے اُسے فون لگانے کا کہا تھا۔ پر اس نے مجھ سے کہا وہ شادی نہیں کرنا چاہتا ہے اب شاید اُس نے موبائل بھی آف کر دیا ہے، میں کب سے اسے کال ملا رہا ہوں وہ اٹھا نہیں رہا میں بابا کو کیا کہوں جا کر میری تو کچھ سمجھ نہیں آرہا۔ ''وہ ساری تفصیلات سے آگاہ کرنے لگا، اس کی پیشانی پر بل تھے اور آواز میں لرزش نمایاں تھی۔

جہاں آسیہ بیگم ہکا بکا رہ گئی تھیں وہاں کمرے میں باقی نفوس کے ان سے ملتے جلتے تاثرات تھے۔ باہر سب معاذ کے بارے میں بار بار پوچھ رہے تھے، عادل صاحب عمیر کو ڈھونڈتے ہوئے ڈریسنگ روم تک آئے تھے اور وہاں ان سب کو ایک ساتھ دیکھ کر

عمیر پر بھڑک اٹھے۔ ''معاذ کہاں ہے؟ تمہیں کب سے کہا ہے اسے فون کر کے پوچھو، تم خود بھی غائب ہو گئے۔ ''آتے ہی انھوں نے باہر ہوتی چہ مگیوں کی وجہ سے اتنی دیر سے ضبط کیا غصہ عمیر پر نکالا تو وہ سہم کر دو قدم پیچھے ہٹا کہ کہیں وہ اُس پر ہاتھ ہی نہ اٹھا دیں۔ ''اب چپ کیوں سادھ لی ہے، کچھ بولو گے منہ سے یا یونہی کھڑے رہنا ہے؟ ''اپنی بات کا جواب نہ پا کر وہ گرجے تو عمیر نے ڈرتے ڈرتے سب بتا دیا۔ نبیل صاحب جواب مہمان کو باتیں کرتا دیکھ کھانا شروع کروانے کا کہنے آئے تھے یہ سب سن کر انھیں حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا۔

''میں نے کہا تھا اُسے سمجھا دو وہ بغاوت کرنے کا نہ سوچے ''عادل صاحب کے غصے کا رخ آسیہ بیگم کی جانب تھا، وہ نبیل صاحب کی موجودگی سے لاعلم تھے ''عادل! یہ سب کیا ہو رہا ہے، تم آسیہ پر کیوں چیخ رہے ہو، تم جانتے تھے معاذ یہ شادی نہیں کرنا چاہتا۔۔۔جواب دو؟ ''وہ بے یقینی کے عالم میں گھیرے عادل صاحب سے پوچھ رہے تھے عادل صاحب اثبات میں سر ہلا کر رہ گئے۔ ''تو پھر پہلے کیوں نہیں بتایا مجھے؟ ''وہ حیرت میں ڈوبے اپنے چھوٹے بھائی سے ہمکلام تھے۔ ''بھائی صاحب شادی بیاہ کوئی بچوں کی طے کرنے کے معاملات نہیں ہوتے اور معاذ۔۔۔اُس کا تو دماغ خراب ہو گیا ہے۔ ''ان کا غصہ جوں کا توں برقرار تھا۔

"بے شک یہ معاملات بڑے ہی طے کرتے ہیں لیکن ہم اتنے بھی ظالم نہیں ہے کہ اپنا فیصلہ ان پر تھوپ دیں، معاذ بھی میرا ہی خون ہے، میرے بچوں کی طرح عزیز ہے مجھے، مجھے تو یہ سمجھ نہیں آرہا، تم نے اکیلے یہ فیصلہ کر کیسے لیا؟۔ "ان کی بات سن کر عادل صاحب لاجواب ہوئے تھے۔ "تمہاری اس حرکت کی وجہ سے باہر لوگ باتیں بنا رہے ہیں، معاذ کہاں ہے اور کیوں نہیں آیا اب تک، کیا وہ شادی نہیں کرنا چاہتا تھا یا ہم ان سے کچھ چھپا رہے ہیں۔ اگر تم پہلے اس معاملے سے آگاہ کرتے تو آج ہماری اس طرح بے عزتی نہیں ہوتی۔ "وہ بولتے بولتے لڑکھڑائے تو عمیر نے اگے بڑھ کر انھیں تھام لیا، عافی جو مسلسل آنسو بہا رہی تھی دوڑتے ہوئے نبیل صاحب کے قریب آئی تھی، آسیہ بیگم اور مسز نبیل دونوں ہی صدمے میں گھری اپنی جگہ کھڑی تھیں۔

مجھ میں سب سے نظریں ملانے کی سکت نہیں بچی اب۔ عمیر بیٹا جاؤ! جا کر مہمانوں کو کھانا کھلا کر رخصت کرو۔ "عمیر انھیں سنبھالے کھڑا تھا نبیل صاحب نے ہاتھ کے اشارے سے اپنے ٹھیک ہونے کا بتایا اور اسے باہر جانے کو کہا تاکہ رشتے دار اور باقی دوست واحباب کو گھر روانہ کیا جا سکے، آج جو کچھ ہوا وہ خبر تو شہر میں لگی آگ کی طرح پھیلنی ہی تھی لیکن ابھی مہمانوں کو زیادہ دیر تک تنہا نہیں چھوڑ سکتے تھے۔ عمیر اثبات

میں سر ہلاتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھ گیا تھا اس سے پہلے وہ دروازہ کھول کر باہر جاتا عادل صاحب نے اسے باہر جانے سے روک لیا۔ ”رکو عمیر!“۔عادل صاحب وہاں موجود تمام نفوس پر طاہرانہ نگاہ ڈال کر اب نبیل صاحب سے مخاطب ہوئے تھے ۔ ”بھائی صاحب! لوگوں کو چپ کروانے کا دوسرا طریقہ بھی تو نکال سکتے ہیں نا ہم “ ۔

”دوسرا راستہ۔۔۔۔، کہنا کیا چاہتے ہو تم؟۔صاف صاف بولو، مجھ سے یوں پہیلیوں میں بات نہ کرو عادل۔ “نبیل صاحب نے خشمگیں نظروں سے دیکھتے ان کی بات کا مفہوم سمجھنے کی ناکام کوشش کی اور انھیں دوٹوک انداز میں بات کرنے کو کہا۔ ”عمیر کرے گا ہماری بچی سے شادی۔ “عادل صاحب نے گویا بم پھوڑا تھا، نبیل صاحب مجسم حیرت بنے اپنے چھوٹے بھائی کو دیکھ کر رہ گئے انھیں ان کی دماغی حالت پہ شبہ ہوا تھا البتہ باقی نفوس نے بے چینی سے ان کی جانب دیکھا۔

”آپ چپ کیوں ہیں بھائی صاحب؟ “کمرے میں موجود سبھی افراد جیسے یکدم سکتے میں چلے گئے تھے، اپنے درمیان حائل خاموشی کو انھوں نے توڑا تھا۔

”کیوں۔۔۔ایک غلط فیصلہ کر کے تمہارا دل نہیں بھرا جو اب ان دونوں کی زندگی برباد کرنے پر تلے ہو؟ “آنکھوں میں حیرت و بے یقینی کی تاثرات لیے انھوں نے

اپنے بھائی کی سوچ پر افسوس کیا۔عافی جو مسلسل آنسو بہا رہی تھی اسے اپنی سماعت پر یقین نہیں آرہا تھا اسے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ وہ؛ب مزید اپنے پیروں پر کھڑی نہیں رہ پائے گی۔عمیر کی حالت بھی اس سے مختلف نہ تھی۔ ''اس میں غلط کیا ہے بھائی صاحب!،دنوں بچپن سے ایک دوسرے کے ساتھ رہے ہیں ایک دوسرے کی پسند نا پسند سے اچھی طرح واقف ہیں۔ ''عادل صاحب نے نئی منطق پیش کی گویا تمام معاملات چٹکی بجا کر ٹھیک کر لینا چاہتے ہوں لیکن انھوں نے ہاتھ کے اشارے سے چپ رہنے کا کہہ کر بات ہی ختم کر دی تھی۔

.....

بدر صاحب کی طبیعت ٹھیک ہوئی تو انھوں نے دوبارہ آفس جانا شروع کر دیا تھا آج بھی جب دونوں باپ بیٹے آفس کے لیے نکلے تو انیلا بیگم نے اپنی بہن کی طرف آنے کا فیصلہ کیا،گیارہ بجے کے قریب وہ اپنے ڈرائیور کے ساتھ ان کے گھر پہنچیں تو انھیں دیکھ صفیہ بیگم اور عنبر دونوں بہت خوش نظر آئیں،ان کی آمد سے گھر میں کافی رونق لگی تھی پورا گھر قہقہوں سے گونج اٹھا تھا اکثر جہاں خاموشی کا راج ہوتا تھا،کھانے کی اشتہا انگیز خوشبو ہر سو پھیلی ہوئی تھی،صفیہ بیگم نے ان کی خاطر مدارت میں کوئی کمی نہیں ہونے دی تھی اور نت نئے ڈیشز کا اہتمام کیا تھا۔آفس سے واپسی پر ابشام بدر صاحب

کی ہمراہی میں یہیں آ گیا تھا۔ وہ سب لاؤنج میں بیٹھے چائے سے لطف اندوز ہو رہے تھے کچھ دیر میں انھیں گھر کے لیے نکلنا تھا تبھی عنبر تیار ہو کر سبک رفتاری سے سیڑھیاں پھلانگتی لاؤنج میں داخل ہوئی۔ تمام نفوس پر طاہرانہ نگاہ ڈالتے وہ صفیہ بیگم کی جانب دیکھ کر بولی تھی۔ ''ماما! اب میں چلتی ہوں، بہت دیر ہو گئی ہے آج۔ ''اس نے ٹائم دیکھتے ہوئے سب کو الوداع کہا اور آگے بڑھ گئی مگر اپنے عقب سے انیلا خالہ کی آواز پر اسے رکنا پڑا۔ آج بچوں کا ضروری ٹیسٹ تھا اور جلدی کرتے ہوئے بھی اسے دیر ہو گئی تھی۔

''ابشام جاؤ اسے چھوڑ کر آ جاو۔ ''اسے آواز دے کر وہ ابشام سے مخاطب ہوئی تھیں ۔جو اس کی حکم کی تابعداری کرتا فوراً ہی اٹھ گیا تھا۔

''نہیں خالہ جان میں چلی جاؤں گی۔ ''اسے لاؤنج سے باہر نکلتا دیکھ عافی نے انکار کرنا چاہا لیکن صفیہ بیگم نے اسے گھورنے پر وہ خاموش ہو گئی تھی اور نا چاہتے ہوئے بھی اسے ابشام کے ساتھ سینٹر جانا پڑا تھا۔

جب وہ گھر آئی تو رات کے نو بج رہے تھے، پہلی بیل دینے پہ ہی دروازہ کھول دیا گیا تھا اسے حیرانی ہوئی تھی ورنہ صفیہ بیگم کو لاؤنج سے گیٹ تک آتے ہوئے کم و بیش دو چار منٹ تو لگتے ہی تھے۔ وہ سلام کرتی اندر داخل ہوئی۔

"ماما! آپ لان میں تھیں کیا؟ "اس نے اپنے ساتھ چلتی اپنی ماما سے پوچھا۔ "عمیر آیا تھا، اسے ہی چھوڑنے آئی تھی گیٹ تک "عمیر کی آمد کی خبر دے کر وہ آگے بڑھ گئی تھیں البتہ عنبر کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا۔

"عمیر۔۔۔وہ کیوں آیا تھا یہاں؟ "اپنے کمرے میں جانے کے بجائے وہ کچن کے سامنے کھڑی پوچھ رہی تھی۔

"تم سے ملنے آیا تھا۔ "اس کی ماما کچن کی آکر کھانا گرم کرنے لگیں اور اسے بتایا۔

"اور کب تک ناراض رہو گی تم اُس سے، اپنا رویہ ٹھیک کیوں نہیں کر لیتی اُس کے ساتھ؟" کھانے سے فارغ ہوتے ہی انھوں نے بات کا آغاز کیا تھا۔ عنبر خاموش بیٹھی کسی سوچ میں گم تھی، اپنا سر اٹھا کر ان کے چہرے کو بغور دیکھا جہاں سنجیدگی نمایاں تھی۔ "ماما میں اس بارے میں ابھی کوئی بات نہیں کرنا چاہتی، مجھے بہت نیند آرہی ہے۔ "عنبر کرسی گھسیٹتے وہاں سے اٹھ گئی تھی۔

"عنبر تم یہ مان کیوں نہیں لیتی کہ تم نے اس بات کو اپنی انا کا مسئلہ بنا لیا ہے، چھوڑ دو اپنی یہ ضد اور معاف کر دو اسے۔ "صفیہ بیگم کی آواز نے اوپر سیڑھیوں تک اس کا پیچھا کیا تھا۔ پر چاہ کر بھی وہ اس حادثے کو بھول نہیں پاتی تھی کیوں کہ جس پر آپ کو

مان ہوتا ہے وہ مشکل گھڑی میں آپ کو تنہا چھوڑ جائے تو دل آپ اس تکلیف کو چاہ کر بھی نہیں بھول پاتے ہیں۔

قطار در قطار چھوٹی چھوٹی عمارتیں کھڑی تھیں جو چاند کی روشنی میں بآسانی دیکھی جاسکتی تھیں،ان میں سے ہی ایک عمارت کے باہر کھڑا پچھلے دس پندرہ منٹ سے بیل بجائے جارہا تھا لیکن اب تک کسی نے دروازہ کھول کر نہیں دیا تھا۔اس نے زچ ہو کر غصے سے دیوار پر ہاتھ مارا مگر اب اس کا دایاں ہاتھ بُری طرح درد کرنے لگا تھا،اب اسے سہلاتے ہوئے اس نے اپنی آخری کوشش بھی کر ڈالی اور ایک مرتبہ پھر سے بیل دے کر دروازہ کھل جانے کا انتظار کرنے لگا۔شکر تھا اس بار دوسری طرف سے اس کی فریاد سن لی گئی تھی اور دروازہ کچھ توقف کے بعد کھول دیا گیا۔

"کون ہے؟ "نیند میں ڈوبی آواز کے ساتھ آنکھوں کو ملتے وہ جمائے لیتے ہوئے بولا، اپنے سامنے معاذ کو دیکھ کو اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں۔بناء پلکیں چپکائے عامر اپنی آنکھوں پر یقین کرنے کی تگ ودو کرنے لگا،آیا سامنے معاذ کھڑا ہے یا وہ کوئی خواب دیکھ رہا ہے۔

"کہاں مر گئے تھے۔۔۔؟، کب سے بیل دیے جا رہا ہوں۔ "مقابل کی آواز سن کر اس کے معاذ ہونے کی تصدیق بھی ہو گئی، عامر نے اپنے سامنے کھڑے نفوس کے حلیے پر نگاہ ڈالی اور جواب دینے کے بجائے الٹا سوال کیا۔ "تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ " شہر سے دور کچی آبادی میں رات کے اس وقت اسے دیکھ کر عامر نے سوال کیا کیوں کہ جہاں تک وہ جانتا تھا آج اس کی شادی کی تقریب تھی۔ عامر اس کا یونیورسٹی فیلو تھا یونی ختم ہونے کے بعد عامر نے یہیں رہائش اختیار کر لیں تھی بس اس لیے ان دونوں کا سامنا بمشکل ہی ہوتا تھا البتہ کبھی کبھار فون پر بات چیت ہو جایا کرتی تھی۔ "اندر چل کر بات کریں۔۔۔؟ "اسے ہاتھ سے سائیڈ پر کرتا معاذ کہتے ہوئے اندر داخل ہوا۔

معاذ نے جب اُسے ساری بات بتائی تو کچھ پل کے لیے عامر اسے بے یقینی سے دیکھے گیا پھر بولا،

"اور اب کیا سوچا ہے تم نے، واپس جانا ہے یا نہیں؟ "

"کچھ دن میں چلا جاؤں گا یار، تب تک مجھے یہاں رہنے کی جگہ چاہیے۔ "معاذ نے اپنی بات کہی۔

منع کس نے کیا ہے، جتنی مرضی دن رہ لے لیکن آنکل۔ ''عامر نے اس کے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا اور اپنا جملہ ادھور چھوڑ دیا۔ ''تم فکر مت کرو، وہ تمہارے ٹھکانے سے یکسر بے خبر ہیں۔ ''وہ اس مطمئن کرتا وہی رکھے صوفے پر لیٹ گیا تھا۔ کافی سوچ سمجھ کر بالآخر معاذ نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ وہ حسن ویلا سے کچھ دنوں کے لیے غائب ہو جائے گا تاکہ یہ شادی روک دی جائے اور یہ بالکل ہی احمقانہ رستہ تھا فرار کا رستہ۔۔۔۔جوان سب کی زندگی میں ایک بڑی تبدیلی کا سبب بنے والا تھا۔وہ گھر سے اتنی دور عامر کے پاس چلا آیا تھا اور اپنا موبائل بھی آف کر دیا تھا تاکہ کوئی بھی اس تک نہ پہنچ سکے۔عامر کا گھر ہی واحد جگہ تھی جس کا عادل صاحب کو پتا نہیں تھا ورنہ وہ اس کے ہر دوست کو جانتے بھی تھے اور مل بھی چکے تھے۔دو دن بعد وہ یہاں سے نکلنے کا ارادہ رکھتا تھا، اسے لگا تھا کہ تب تک معاملہ کچھ سنبھل جائے گا لیکن اُسے معلوم نہیں تھا جسے وہ اتنا آسان سمجھ رہا ہے وہ اس پر کتنا بھاری پڑنے والا ہے۔

شادی کے دن ہوئے ہنگامے کو تین دن بیت گئے تھے مگر اب تک حسن ویلا میں خاموشی کا راج تھا۔گھر کے تمام افراد ایک دوسرے سے کا سامنا کرتے ہوئے کترا رہے تھے۔قریبی اور دور پار کے رشتے دار، دوست واحباب شادی ملتوی ہو جانے کی وجہ جاننے کے لیے فون کرتے جنھیں وضاحت دے دے کر گھر کے مکین تھک چکے

تھے۔عافی نڈھال سی بستر سے جا لگی تھی وہیں نبیل صاحب اپنی بیٹی کی حالت دیکھ کر چند دنوں میں بوڑھے نظر آنے لگے تھے۔جو باپ اپنی بیٹی کے آنکھ میں ایک آنسو برداشت نہیں کر سکتا تھا وہ بیٹی کو اس اذیت سے دوچار ہوتے کیسے دیکھ سکتا تھا۔عمیر جو ہر وقت اُس کے آس پاس منڈلاتے رہتا تھا وہ کہیں غائب ہو گیا تھا۔کیوں کہ اُس میں روتی بسورتی عافی کو دیکھنے کی ہمت نہیں بچی تھی۔

اس کی طبیعت ذرا سنبھلی تو گھر کی عورتیں بمشکل مرد حضرات کو چائے کے لیے لاؤنج میں اکھٹا کرنے میں کامیاب ہوئی تھیں۔آسیہ بیگم سب کو چائے سرو کر کے کچن کی طرف جا رہی تھیں تبھی معاذ کو اپنے روبرو دیکھ کر ان کے قدم یکلخت تھمے تھے،وہ دونوں ہاتھ باندھے کچن کی دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا تھا،ماں پر نظر پڑتے ہی وہ قدم اٹھاتے ان کے قریب آیا جو بے یقینی کی کیفیت میں گھری اُسے ہی دیکھ رہی تھیں ۔قریب آکر سلام کرتا وہ ان کے گلے لگ گیا تھا،وہ اسے خود سے جدا نہیں کر پائیں، کوئی بھی ماں اپنے بچے سے زیادہ دیر تک ناراض نہیں رہ پاتی ہے انھیں بھیمعاذ پر بے حد غصہ تھا پر اُسے سامنے دیکھ کر اُس آنکھیں ڈبڈبا گئی تھیں۔

"کیسی ہیں آپ؟ "وہ ان سے الگ ہوتے بولا تو سرسری سا جواب دیتے اس سے استفسار کیا۔ "کہاں چلے گئے تھے تم؟کچھ پتا بھی ہے تمہیں؟تمہاری اس حرکت کی

وجہ کتنا بڑا ہنگامہ کھڑا ہو گیا تھا "معاذ کو دیکھ کر جہاں ان کی ممتا پر سکون ہوئی تھی وہیں اگے کا سوچ کر وہ ڈھل گئی تھیں۔ان کے لہجے میں خفگی نمایاں تھی اور انداز دپٹنے والا تھا۔معاذ نے انھیں خائف نظروں سے دیکھا وہ کہنا چاہتا تھا کہ امی آپ سارے معاملے سے بے خبر تو نہیں تھیں، بابا کے فیصلے نے مجھے کس دوراہے پر لا کھڑا کیا تھا۔کیا اب بھی آپ کا پوچھنا بنتا ہے مگر وہ یہ سب بول کر ماں کو تکلیف نہیں دینا چاہتا تھا۔

"اپنے دوست عامر کے گھر چلا گیا تھا، باقی سب کہاں ہیں؟ "اس نے سچ بولا تھا۔آسیہ بیگم اس کی آمد پر باقیوں کا کیا ردعمل ہو گا سوچ کر خوف کھا رہی تھیں خاص کر عادل صاحب کا رویہ اس کے ساتھ ہتھک آمیز ہو سکتا تھا۔انھیں وہاں چھوڑ کر معاذ دھیرے دھیرے چلتے لاؤنج میں آیا تھا اور آتے ہی سلام کیا۔سب اپنے خیالوں میں غرق تھے اس کی آواز سُن کر سبھی چونکے تھے ان کی نگاہیں اس کے قدموں کا پیچھا کرتی وہاں ٹھہر گئیں جہاں وہ آکر رکا تھا۔عادل صاحب برق رفتاری سے اٹھے تھے اور معاذ کے کچھ کہنے سے پہلے ہی ان کا ہاتھ اٹھا تھا اور اس کے دائیں گال پر اپنے نشان چھوڑ دیا۔وہ دوسری بار بھی اُسے مارتے پر نبیل صاحب نے اگے بڑھ کر ان کے ہوا میں بلند ہاتھ کو سختی سے پکڑ کر جھٹکا تھا۔مسز نبیل اپنی جگہ ساکت کھڑی سب کچھ دیکھ رہی

تھیں، عافی کی آنکھوں میں کچھ دیر پہلے اُسے یہاں دیکھ کر جو پانی بھر آیا تھا۔ عادل صاحب کو معاذ کو اس طرح مارتے دیکھ کر وہ سہم گئی تھی البتہ آسیہ بیگم جو اُس کے پیچھے لاؤنج میں داخل ہوئی تھیں اور جو منظر ان کی آنکھوں نے دیکھا تھا بے اختیار اپنا ہاتھ منہ پر رکھے وہ وہیں جامد ہو گئیں البتہ عمیر اب بھی ان سب سے بے خبر غائب تھا۔

"اپنے غصہ پر قابو رکھو عادل۔" خشمگین نظروں سے گھورتے وہ گھر کے تھے اور معاذ کو بازو سے پکڑ کر اپنی جانب کھینچا جو اس اچانک سے پڑنے والے تھپڑ پر اپنے دہکتے گال پر ہاتھ رکھے بے یقینی کے عالم میں تمام نفوس کو دیکھ رہا تھا۔ وہ قصوروار تھا عافی کا، اپنے تایا جی کا اور گھر کے تمام فرد کا۔

آخری وقت میں ایک کمزور فیصلہ کر کے اس نے اپنے خاندان کی عزت کو مٹی میں ملا دیا تھا۔ اس انتہائی قدم سے اس کی فیملی کیسے نمٹے گی ان نے سوچا ہی نہیں تھا۔ سزا تو اسے ملنی تھی عادل صاحب جتنے بھی غصے میں ہوتے تھے وہ کبھی اُس پر ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے پر آج انھوں نے وہ کر دیکھایا تھا اور اگے بڑھ کر اسے بچانے والا شخص وہی تھا جس کی بیٹی کو ناچاہتے ہوئے بھی وہ تکلیف سے دوچار کر دیا۔

"بھائی صاحب!، آپ ہٹ جائیں، آج اس کی وجہ سے لوگ ہم پر ہنس رہے ہیں۔ "
عادل صاحب اگے بڑھ کر تیوری چڑھائے بولے تھے جیسے ابھی اس کا خون کر دیں گے، وہ اس وقت غصے میں تھے اور غصے میں انسان بہت کچھ کر بیٹھتا ہے۔

"ایک بات کان کھول کر سُن لو عادل۔ اب میں اس گھر میں کوئی ہنگامہ نہیں دیکھنا چاہتا۔ اگر تم سب نے یہی کرنا ہے تو میں اپنی بیٹی کو لے کر یہاں سے چلا جاؤں گا سمجھے تم۔ "وہ عافی کا سفید پڑتا چہرہ دیکھ کر نمناک لہجے میں بولتے تمام نفوس کو ہکا بکا چھوڑ کر اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئے تھے۔

"ابشام!۔ "ڈائننگ ٹیبل پر بدر صاحب کے ساتھ ابشام بھی موجود تھا۔ انیلا بیگم کھانے سے فارغ ہوتے ہی ابشام کو اپنی جانب متوجہ کرنا چاہا۔ "جی ماما! "وہ نیپکین سے منہ صاف کر کے سامنے رکھے جگ سے گلاس میں پانی انڈیل رہا تھا ماں کے پکارنے پر فوراً بولا۔ "ابشام، ہم اب تمہاری شادی کر دینا چاہتے ہیں۔ "انھوں نے اپنی خواہش ظاہر کی۔ "شا۔۔د۔۔۔ی! لیکن کیوں ماما!؟ "وہ اپنی ماں کے منہ سے شادی کی بات سن کر حیران ہوا تھا۔ بدر صاحب یوں تو کھانے میں مصروف تھے لیکن

ان کا سارا دھیان ان کی گفتگو کی جانب تھا،انھوں نے انیلا بیگم کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھا جو بولتے بولتے رک گئی تھیں۔

"کیوں تمہیں شادی تو کرنی ہے نا؟،چند ماہ بعد تم چھبیس سال کے ہو جاوگے۔ تعلیم مکمل ہو چکی ہے ڈیڈ کا بزنس سنبھالا ہوا ہے پھر کس بات کی دیری ہے،بس اب میں چاہتی ہوں مجھ اکیلی بندی کو کمپنی دینے والی جلد از جلد اس گھر میں آجائے۔ "انھوں نے وضاحت دی لیکن اس نے کوئی جواب نہیں دیا خاموش بیٹھا انھیں دیکھتا رہا۔ "تم چپ کیوں ہو میری جان۔کچھ تو بولو۔ "وہ بدر صاحب پر نگاہ ڈال کر بولیں۔ "جیسی آپ کی مرضی فی الحال مجھے کچھ مہلت چاہیے۔ "وہ پر سکون انداز میں کہتا وہاں سے اٹھ گیا تھا اسے صبح آفس کے لیے نکلنا تھا اس لیے وہ جلدی سو جاتا تھا اپنی تمام تر ایکٹیویٹی اس نے ترک کر دی تھی،اب وہ کافی ذمہ دار ہو گیا تھا معاملہ فہمی سے کام لیتا تھا۔

"اور کتنا وقت چاہیے بدر اسے؟ "اس کے جاتے ہی اپنے شوہر کی طرف دیکھ کر پوچھا تو وہ مسکرا کر اٹھ گئے۔

"سو جائیں بیگم صاحبہ۔۔مان جائے گا۔ "وہ اس انداز میں بولے گویا کہنا چاہتے ہوں اتنی بھی جلدی کیا ہے بیٹے کی آزادی چھیننے کی۔

عنبر ابھی سینٹر سے واپس آئی تھی۔ مسلسل بیل دینے پر بھی دروازہ جوں کا توں بند تھا کافی دیر انتظار کرنے کے بعد اس نے اپنے پاس موجود چابی سے دروازہ کھولا تھا۔

"ماما!۔۔۔اور اپنی ماں کو آواز دیتی قدم قدم چلتی لاؤنج میں آئی لاؤنج خالی دیکھ کر وہ کچن کی طرف بڑھی، وہ وہاں بھی نہیں تھیں۔ وہ فکر مند ہوئی اور جلدی جلدی سیڑھیاں پھلانگتی اپنے کمرے میں آئی۔ وہ اکثر لوندری کیے اس کے کپڑے اپنے ہاتھوں سے سیٹ کرتی تھیں اسے لگا وہ کمرے میں ہوں گی مگر کمرہ بھی خالی تھا اسے صحیح معنوں میں پریشانی لاحق ہوئی تھی۔

"ماما کہاں جاسکتی ہیں؟ "بڑبڑاتے ہوئے وہ اپنی چیزیں رکھ کر الٹے قدم ان کے کمرے کی جانب بھاگی تھی۔ ان کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا اور وہ اپنے کمرے میں بیڈ پر لیٹی ہوئی تھیں۔

"ماما!، آپ کی طبعیت تو ٹھیک ہے نا؟ "انھیں بستر پر نیم غنودگی حالت میں پڑی دیکھ کر وہ فکر مندی سے کہتی ان کے قریب ہی بیٹھ گئی تھی۔ ان کا جسم تیز بخار کے باعث دہک رہا تھا۔ ان کے وجود سے الکساہٹ جھلک رہی تھی جو بخار کی وجہ سے بستر پر بے سدھ پڑی تھیں۔ عنبر نے جلدی سے کچن کا رخ کیا۔ اس کے سر پر ٹھنڈے پانی کی پٹی

کرتی وہ ان کے ہاتھوں کو مسلسل سہلا رہی تھی۔ بخار میں کمی آئی تو انھیں ہلکی غذا دے کر وہ انھیں دوائی دے کر ان کے ساتھ ہی لیٹ گئی۔

اپنی ماں کی حالت دیکھ کر وہ رنجیدہ تھی وہ انھیں کسی بھی حال میں کھونا نہیں چاہتی تھی ۔وہ ہی اب اس کے جینے کا واحد سہارا تھیں ورنہ اس سے جُڑے سبھی رشتوں نے اسے چھوڑنے میں پہل کی تھی۔اس کا باپ منوں مٹی تلے جا سویا تھا اور باقیوں نے اپنی انا کی دیوار اتنی لمبی کھینچ لی تھی کہ اب وہ ان کے پاس لوٹنا نہیں چاہتی تھی۔

دوسرے روز صبح وہ گھر میں کام کرنے والی کو ہدایت دے کر سیدھا کچن میں آئی تھی تاکہ صفیہ بیگم کے لیے ہلکی پھلکی غذا تیار کر سکے،البتہ صفیہ بیگم نے اُسے پریشان ہونے سے منع کر دیا تھا۔ان کا یہی کہنا تھا کہ ذرا سی حرارت ہے خود ہی ٹھیک ہو جائے گا۔جب وہ دوائی لے کر لیٹیں تو اس کا فائدہ اٹھاتی عنبر نیچے آ گئی اور کچن میں کھڑی ان کے لیے سوپ تیار کرنے لگی۔

"خالہ جان! "ابشام صفیہ بیگم کو آواز لگاتے اندر داخل ہوا تھا،آواز میں خوشی نمایاں تھی۔لاؤنج خالی دیکھ کر اس نے متلاشی نظروں سے کچن میں جھانکا لیکن وہاں صفیہ بیگم کے بجائے عنبر کو دیکھ کر اس کے چلی زبان کو یکدم بریک لگ گئی۔وہ دھیمی آنچ پر سوپ کو چھوڑ کر فریج سے پانی کی بوتل نکال کر اب گلاس میں انڈیل رہی تھی ابشام پر

نظر پڑتے ہی ایک اچھبتی نگاہ اس پر ڈال کر وہیں رکھی کرسی پر بیٹھ کر دھیرے دھیرے گونٹ بھرنے لگی۔ابشام خاموشی کے ساتھ چلتے ہوئے کچن میں داخل ہوا تھا

۔

"مجھے بھی دینا پلیز! "۔پھولی ہوئی سانس کے ساتھ کہتا وہ رک گیا تھا جبکہ وہ اثبات میں سر ہلاتی بوتل اور خالی گلاس تھما کر پھر سے مصروف ہو گئی تھی۔بے مروتی کے سارے ریکارڈ توڑتی اس لڑکی کو دیکھ کر ابشام نے اُس کی جانب پھیکی مسکراہٹ اچھالی اور شکریہ ادا کیا تھا۔ایک بار پھر سے اس نے صفیہ خالہ کو آواز لگائی تاکہ عنبر کی خونخوار نظروں کی میزبانی سے بچ سکے اور کچن سے باہر نکلتے نکلتے اس سے پوچھ ہی لیا۔ "خالہ جانی کہاں ہیں؟"

"اپنے کمرے میں آرام کر رہی ہیں۔ "وہ مخصوص لہجے میں بولی تھی۔

"کیوں۔۔۔ان کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟ "وہ حیران ہوا تھا،صفیہ خالہ اسے ہر وقت کاموں میں لگی نظر آتی تھیں۔

"نہیں۔۔۔کل رات سے بخار ہے۔ابھی دوائی دے کر سلا کر آئی ہوں۔ "عنبر نے بتایا۔صفیہ بیگم کی ناساز طبیعت کا سُن کر اُس کے ماتھے پر فکر مندی کی لکیریں ابھریں تھیں اور وہ فوراً اُن کے کمرے کی جانب بڑھا تھا۔

"وہ آرام کریں گی تو ٹھیک ہو جائیں گی۔ تمہیں ان کی فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اب جاؤ یہاں سے۔" عنبر آگے بڑھ کر اس کا راستہ روکے سختی سے کہتی اُسے باہر کا رستہ دکھانے لگی۔ ابشام نے بھویں چڑھائے بے یقین نظروں سے اُس لڑکی کی جانب دیکھا جس کے چہرے پر سنجیدگی نمایاں تھی۔ "جن کے لیے پریشان ہونے سے تم نے مجھے منع کر رہی ہو نا۔ شاید تم یہ بھول رہی ہو کہ وہ صرف تمہاری ماں نہیں ہے، میری بھی کچھ لگتی ہیں، اس لیے میں نہیں جاؤں گا یہاں سے۔۔۔ سمجھی تم۔" آج دوسری بار وہ اس سے اس طرح سخت لہجے میں بات کر رہا تھا بلکہ اس طرح بات کرنے پر مجبور کیا گیا تھا۔ اُس کے غصے کی پرواہ کیے بغیر وہ سائیڈ سے نکل کر سیڑھیاں پھلانگتے صفیہ بیگم کے کمرے کی جانب بڑھ گیا تھا۔

.....

معاذ جب سے آیا تھا اپنے کمرے تک محدود ہو کر رہ گیا تھا، آفس سے سیدھا اپنے کمرے اور کمرے سے آفس کے چکر لگاتا۔ اُس دن کے بعد عادل صاحب نے اُسے مخاطب کرنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ آج آفس سے واپسی پر اس کا سر بُری طرح دکھ رہا تھا اس لیے کپڑے تبدیل کر کے وہ چائے کے لیے کچن میں آ گیا مگر عافی کو کچن میں دیکھ کر اُس کے قدم تھم گئے تھے، پہلے وہ بلا جھجک اُس سے چائے یا کافی کی فرمائش کر لیتا تھا پر

اب وہ اُسے مخاطب کرنے سے کترانے لگا تھا، عافی نبیل صاحب کے لیے چائے بنانے آئی تھی، چائے تیار کر کے کپ میں ڈال رہی تھی تبھی وہ اُسے دروازے پر کھڑا نظر آیا ۔وہ اچھی طرح جانتی تھی جب کبھی اُسے چائے کی طلب محسوس ہوتی تبھی وہ اس طرح کچن کا رخ کرتا تھا۔ نبیل صاحب کی چائے ڈال کر وہ دوسرے مگ میں چائے انڈیلنے لگی اور بنا کچھ کہے اپنا کپ لیے اگے بڑھ گئی۔

"عافی؟ "اتنے دنوں بعد معاذ نے اسے پکارا تھا اس کے اگے بڑھتے قدم یکلخت منجمد ہوئے تھے۔وہ زبان سے تو کچھ بھی نہیں بول پائی تھی پر مڑ کر سانس روکے اس کے اگے بولنے کا انتظار ضرور کیا تھا۔ بچپن سے معاذ کو سامنے دیکھ کر اُس کی آنکھوں میں جو چمک آتی تھی اب مفقود تھی، اپنی محبت کو کھو دینے کا غم اُسے اندر ہی اندر گھٹنے پر مجبور کر رہا تھا۔اُس نے ہنسنا بولنا بالکل بند کر دیا تھا۔ یہ سچ ہے کہ جب تک آپ کے وجود کو محبت کے لمس کی ٹھنڈک ملتی رہے تب تک روح کی شادابی برقرار رہتی ہے، لیکن جب یہی محبت ہجر اوڑھے دل کی مکین بن جائے تو اندر ہی اندر انسان کھوکھلا ہونے لگتا ہے۔ معاذ کی محبت بھی امر بیل کی طرح عافی کے پورے وجود کو اپنی لپیٹ میں لی چکی تھی اور اب آہستہ آہستہ اس کے ہنستے کھیلتے وجود کو کچھ ہی دنوں میں بنجر کر دیا تھا۔

"تایا جان کو سمجھاؤ عافی۔ وہ یہ گھر چھوڑ کر نہ جائیں، وہ تم سے بہت محبت کرتے ہیں، تمہاری بات کبھی نہیں ٹالیں گے۔ " جھجکتے ہوئے اُس نے نظریں جھکائے اپنی بات مکمل کی تھی، چاہ کر بھی وہ اس سے نظریں نہیں ملا پایا تھا۔ "بابا نے جو فیصلہ کیا ہے میں بھی اس کے حق میں ہوں "وہ کمزور مگر پر اعتماد لہجے میں بولتی اُس کی جانب دیکھ رہی تھی، وہ خود بھی یہاں رک کر روز روز خود کو اذیت دینا نہیں چاہتی تھی، محبت تو وہ کھو چکی تھی، خود کو کمزور ثابت کر کے وہ اپنی عزت اور اعتماد نہیں کھونا چاہتی تھی اب اُس کے لیے اُس کے والدین ہی سب کچھ تھے اور اپنے بابا کے مان کو توڑنا اُسے کسی صورت گوارا نہیں تھا یقیناً نبیل صاحب نے جو بھی فیصلہ کیا تھا ان کی بھلائی کے لیے کیا تھا۔

"عافی۔۔ مجھے معاف کر دو۔ "معاذ کا دل خود کو اس کا مجرم سمجھتا تھا وہ اُس نے معافی مانگنا چاہتا تھا پر وہ ایسا صرف سوچ پایا تھا، عافی کا جواب سُن کر گویا اُس کی زبان پر تالے لگ گئے تھے، وہ اپنی محبت کے ہاتھوں مجبور تھا وہ تو جانتا تک نہیں تھا کہ اس کی کزن جسے وہ اب تک چھوٹی سی لڑکی سمجھتا آیا تھا اس پر اپنا دل ہار بیٹھے گی۔ نہ وہ اس کا دل توڑنا چاہتا تھا اور نہ برسوں سے بنے اس گھر کو ٹوٹتے دیکھ سکتا تھا۔ وہ کتنے ہی دنوں سے بے چین اور پیشمان میں گھر راتوں کو سو نہیں پایا تھا۔

"چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے، بابا انتظار کر رہے ہوں گے۔ "اسے خاموش دیکھ کر بولتی وہ اس سے دور ہوتی گئی جبکہ وہ اسے خالی نظروں سے دیکھتا رہا۔ پھر کچن میں رکھی چائے کا کپ اٹھایا جو کب کی ٹھنڈی ہو گئی تھی۔

نبیل صاحب حسن ویلا چھوڑ کر اپنے نئے گھر میں شفٹ ہو گئے تھے جہاں وہ عافی کی شادی کے بعد رہنے والے تھے تاکہ عافی کا میکہ اور سسرال قائم رہے۔ آج یہاں آئے انھیں ایک ماہ سے زیادہ ہو گیا تھا، لیکن حسن ویلا سے ملنے کوئی بھی نہیں آیا تھا۔ عادل صاحب نبیل صاحب کے اس طرح گھر چھوڑ دینے کی وجہ سے شدید خائف تھے اور اپنی ناراضی کا ثبوت انھوں نے یوں دیا تھا کہ جب وہ اپنے گھر کے لیے نکل رہے تھے تب بھی انھوں نے ملنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ نبیل صاحب اپنے کمرے میں کھڑکی کے سامنے کھڑے باہر کا منظر دیکھ رہے تھے۔ چمکتی دھوپ میں لان میں موجود ہر شئے سنہرے رنگ میں رنگی ہوئی تھی۔ مگر خوبصورت مناظر بھی ان کے دل کی ویرانی کو کم کرنے میں معاون ثابت نہیں ہوئی۔ کچھ ہی دنوں میں ان کے آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے پڑ گئے تھے، دل میں اپنے عزیزم سے بچھڑنے کا دکھ تھا جو درد بن کر پورے جسم میں سرایت کر گیا تھا۔

"بابا! "وہ ناشتے کی ٹیبل پر نہیں آئے تھے عافی ان کا ناشتا اپنے ساتھ کمرے میں ہی لے آئی تھی۔ وہ گہری سوچ میں گم تھے اس کے پکارنے پر چونک کر پلٹے تھے۔ عافی بوجھل قدموں سے چلتی ان کے قریب آئی تھی اور وہ ان کے چہرے سے جھلکتے کرب کو دیکھ کر اداس ہو گئی تھی۔ "آپ کی طبعیت تو ٹھیک ہے نا بابا!، آپ ناشتے کے لیے بھی نیچے نہیں آئے؟ "ناشتے کی ٹرے میز پر رکھ کر وہ تشویش انداز میں بولی تھی۔ کچھ ماہ میں وہ بہت خاموش ہو گئے تھے اور یہ چیز عافی کو بے چین کیے ہوئے تھی۔ "میں ٹھیک ہوں بیٹا۔ "نبیل صاحب دھیرے سے بولے تھے بھوک نہ ہوتے ہوئے بھی انھوں نے نہ چاہتے ہوئے بھی ناشتہ کیا تھا۔

وقت تیزی سے گزرتا ہے۔۔۔ سیکنڈ، منٹ، گھنٹے، دن، ہفتے، مہینے اور سال۔۔۔ سو وہ پر لگا کر اُڑنے لگا۔ گھر کے تمام افراد اپنی اپنی زندگی میں مصروف ہو گئے تھے لیکن ان کے درمیان ناچاہتے ہوئے بھی خاموشی حائل ہو گئی تھی۔ ایک بے نام سا خلش جو رشتوں کی دوری کی وجہ سے ان کے درمیان آ ٹھہری تھی۔ ماحول کے بدلاؤ نے نبیل صاحب کی طبیعت پر گہرا اثر ڈالا تھا۔ وہ بیمار رہنے لگے تھے۔

عادل صاحب کا اب تک ان سے کوئی رابطہ نہیں ہوا تھا، بھائی کی محبت سے زیادہ انھیں اپنی انا عزیز تھی، جو دن رات بھائی صاحب کی رٹ لگائے نہیں تھکتے تھے اُس نے مکمل بے اعتنائی برتی ہوئی تھی۔

عادل صاحب نے اپنی خواہش کے مطابق اپنا الگ بزنس اسٹیبلش کیا تھا اس لیے شروع سے دونوں الگ الگ ہی کام کرتے تھے۔ دونوں کا آمنا سامنا ممکن نہیں تھا۔ نبیل صاحب روز آفس سے واپسی پر دونوں ماں بیٹی سے پوچھتے تھے کہ حسن ویلا سے کوئی ملنے آیا یا کسی نے رابطہ کیا، تو دونوں ماں بیٹی ایک دوسرے کا منہ دیکھ کر رہ جاتیں۔ نفی میں جواب آتا تو وہ سمجھ جاتے یہ سب عادل کا غصہ ہے تبھی وہاں کا کوئی فرد اب تک ان سے ملنے نہیں آیا تھا۔ کئی بار انھوں نے عمیر سے رابطہ بھی کیا تھا۔ اس سے گھر کے حالات اور ان کی خیر خیریت پوچھتے رہے تھے۔

آج بھی وہ آفس سے آئے تھے۔ جسم تھکاوٹ سے چُور تھا۔ آتے ہی عافی سے چائے کا کہتے اپنے کمرے میں جانے کی بجائے لاؤنج میں آکر بیٹھ گئے تھے۔ عافی کچن میں گھسی ان کے لیے چائے تیار کر رہی تھی۔ معمول کے مطابق مسز نبیل نے انھیں پانی کا گلاس لا کر دیا تھا اور ان کے ساتھ ہی صوفے پر بیٹھ گئی تھیں۔

تبھی گھر کی ملازمہ نے کسی کے آنے کی خبر دی اس کا کام ختم ہو گیا تھا اس لیے وہ اپنے گھر کے لیے نکل گئی۔ کچھ ہی دیر میں عمیر سلام کرتے اندر داخل ہوا تھا۔

"کیسے ہیں تایا جان؟ تائی امی آپ کیسی ہیں؟ "وہ باری باری دنوں نفوس پر نگاہ ڈالتے آہستہ آواز میں ان کی خیریت پوچھ رہا تھا۔ نبیل صاحب کے چہرے پر تھکاوٹ کے باوجود یکدم مسکراہٹ بکھر گئی تھی وہ فوراً اپنی جگہ سے اٹھے تھے اور بڑھ کر اسے گلے سے لگا لیا تھا، مسز نبیل کھڑی اپنے آنسو چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔ انھیں یہاں آئے دو ماہ ہو گئے تھے اور ان دنوں کوئی بھی ایسا لمحہ نہیں تھا جب نبیل صاحب نے حسن ویلا کے مکینوں کو یاد نہ کیا ہو۔ ان کی طرف سے اچانک سے خاموشی دیکھ کر وہ مرجھا سے گئے تھے لیکن اس وقت ان کا چہرہ گلاب کی طرح کھل گیا تھا۔

عمیر ان سے الگ ہوتے ہی مسز نبیل کی جانب بڑھا تھا اور انھوں نے لمحے کی دیری کیے بغیر اس کے ماتھے کو شفقت و محبت سے چوما تھا۔

"بابا! آپ کی چائے "عافی چائے لے کر لاونج میں داخل ہوئی تھی۔ آتے ہی اس کی نظر عمیر پر پڑی تھی جو اس کے ماں باپ کے ساتھ بیٹھے محو گفتگو تھا۔

"کیسی ہو عافی؟ "اُسے دیکھ کر وہ صوفے سے بے ساختہ اٹھا تھا مگر عافی کی جانب سے گرم جوشی مفقود تھی سرسری سا جواب دیتی وہ اپنے بابا کو چائے کا کپ تھما کر خاموشی

سے صوفے پر براجمان ہو گئی تھی۔ عمیر نے برا نہیں مانا تھا وہ حق بجانب تھی کیوں کہ جب اسے اپنے دوست کی سب سے زیادہ ضرورت تھی وہ کہیں غائب تھا، اس وقت اس نے مہربان کندھے سے بھی محروم رکھا تھا کہ وہ اپنا غم ہلکا کر سکے۔ جب وہ لوگ وہاں سے چلے آئے تھے تو اتنے دنوں کے بعد وہ ان سے ملنے آیا تھا۔ نبیل صاحب اپنی تھکاوٹ کو بھول کر اس سے گھنٹوں بیٹھے باتیں کرتے رہے تھے پھر کھانے کے بعد آرام کرنے اپنے کمرے میں چلے گئے۔ عمیر جاب کے سلسلے میں ملک سے باہر جا رہا تھا اور جانے سے پہلے اُن سے ملنے آیا تھا۔

وہ دونوں بالکنی میں کھڑے تھے عافی آسمان پر موجود پورے چاند کو تک رہی تھی۔

"کیسی ہو عافی؟" اسے تب سے خاموش دیکھ کر وہ الجھا تھا آج اتنے دنوں بعد وہ اس سے بات کرنے کی ہمت کر پایا تھا۔

"ٹھیک ہوں۔" اس کا لہجہ سرد تھا، عمیر کو اس کی بے رو کھی سے تکلیف پہنچی تھی۔

"کیا تمہیں میرا آنا پسند نہیں آیا؟، میں نہیں جانتا تھا عافی کہ معاذ کسی اور کو پسند کرتا ہے، اس کے لیے تمہاری چاہت کو میں نے خود محسوس کیا ہے۔ اس کے فیصلے سے تمہارا دل ٹوٹا تھا پر تکلیف مجھے ہوئی تھی۔ اتنی تکلیف کہ مجھ میں تم سے نظریں ملانے

کی ہمت نہیں تھی، میں شرمندہ تھا تم سے، تایا جان سے۔ ''وہ بولتے بولتے سانس لینے کے لیے رکا تھا، عافی نے اسے کرب سے دیکھا پھر بولی۔

''شاید معاذ کی محبت میرے لیے تھی ہی نہیں لیکن اس کے اقدام سے جو تکلیف میرے باپ کو پہنچی ہے اُس کا اندازہ شاید تم نہ لگا پاؤ۔ بابا اپنے بھائی سے بچھڑ کر خوش نہیں ہیں اور یہ بات مجھے اندر سے مار رہی ہے کیوں کہ اس کی وجہ میں بنی۔ میں ان کی آنکھوں میں اترتی بے بسی اور اداسی کو دیکھ کر چین سے نہیں رہ پاتی، وہ روز ان کا انتظار کرتے ہیں اور چچا جان! وہ اتنے سنگ دل کیسے ہو سکتے ہیں عمیر! انھیں بھائی کی سالوں کی محبت بھول گئی۔ ''عمیر عافی کی بات سُن کر اپنی نظریں جھکا گیا تھا وہ حقیقت سے واقف تھا عادل صاحب غصے کے تیز تھے اور اس کے تایا ان سے بالکل مختلف تھے۔

''میں دبئی جا رہا ہوں کل میری فلائیٹ ہے، کیا تم مجھے رخصت کرنے نہیں آؤ گی؟ ''اس کی بھرائی آواز سُن کر عمیر نے موضوع بدل دیا۔

''پتا نہیں۔ ''اس کے لہجے میں ٹھہراؤ تھا، کوئی اور وقت ہوتا تو وہ اس سے لڑ پڑتی کہ وہ اسے اکیلا چھوڑ کر کیسے جا سکتا ہے مگر وہ عافی کہیں کھو گئی تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ وہ اس سے لڑے، اسے کوسے چاہے تو مار کر اس پر اپنا غصہ نکال لے لیکن اس سے ناراض نہ رہے

۔لیکن یہ خواہش بس خواہش ہی رہی تھی۔دوسرے دن آئیر پورٹ پر کھڑا وہ آس پاس سے گزرتے لوگوں میں اسے تلاش کرتا رہا،پر وہ نہیں آئی تھی۔

.....¶¶¶¶¶¶.....

ابشام،انیلا بیگم کو عنبر کے گھر چھوڑ کر آفس کے لیے نکل گیا تھا۔آج صفیہ بیگم کی طبیعت پہلے سے کافی بہتر تھی۔عنبر نے سینٹر سے چھٹی لے لی تھی تاکہ ان کی ٹھیک طرح سے دیکھ بھال کر سکے۔

"تم بیمار ہو اور دونوں ماں بیٹی میں سے کسی نے مجھے بتانا بھی ضروری نہیں سمجھا؟ " انیلا خالہ نے آتے ہی شکوہ کیا تھا۔انھیں یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ وہ بہن جو ان سے ہر بات شیئر کرتی ہے وہ انھیں اپنی بیماری کے متعلق خبر دینا بھی ضروری نہیں سمجھے گی۔

"ایسی بھی کوئی بیمار نہیں انیلا!،میں بالکل ٹھیک ہوں۔ "صفیہ بیگم مسکراتے ہوئے بہن کے چہرے کے بگڑے تیور دیکھ کر بولی تھیں۔ "مجھے عنبر سے بھی شکایت ہے ۔ "وہ اب عنبر سے مخاطب ہوئی تھیں جو صفیہ بیگم کے کپڑے تہ کر کے الماری میں رکھ رہی تھی۔

"مجھ سے کیوں ناراض ہیں خالہ جان؟ "وہ الماری کے پٹ بند کرتی ان کے قریب آکر بیڈ گئی اور ان کے چہرے کو بغور دیکھ کر پوچھا۔ "صفیہ نہ سہی کم از کم تم تو فون

کر کے بتا سکتی تھی ناں، اگر کل ابشام یہاں نہیں آتا تو مجھے تو پتا ہی نہیں لگتا صفیہ بیمار ہے ۔ ''ناراضی سے بھرپور لہجے میں کہہ کر انھوں نے اپنا رخ پھیر لیا۔ یقیناً یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ وہ اپنی ناراضی قائم رکھنا چاہتی ہیں۔

''میں بس آپ کو پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی خالہ جان! ''عنبر نے بتایا، وہ سچ میں کسی کو پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس کی ماں اس کی اپنی ذمہ داری تھی ان کی ضرورتوں اور صحت کا خیال رکھنا اس کا فرض تھا جسے وہ بخوبی نبھاتی آئی تھی۔

''اپنے کبھی اس بات سے پریشان نہیں ہوتے عنبر!، صفیہ میری بہن ہے مجھے خوشی ہوتی اگر تم بھی مجھے اپنا سمجھ کر بتاتی تو۔ جب مجھے ابشام سے معلوم ہوا کہ وہ بیمار ہے تو مجھے رات بھر نیند نہیں آئی۔ ''ان کی آواز بھر آئی تھی عنبر نے ماں کو دیکھا جو خاموشی سے اپنے لب کاٹ رہی تھیں۔

''آئندہ تم دونوں نے ایسا کچھ کیا تو میں تم دونوں سے کبھی بات نہیں کروں گی یاد رکھنا ۔ ''انھوں نے سلسلہ کلام جوڑتے ہوئے جیسے دونوں ماں بیٹی کو باور کروانا چاہا۔ عنبر موقعے کی نزاکت کو بھانپ کر انیلا بیگم کے گلے لگ گئی تھی انھیں اپنی خالہ پر ٹوٹ کر پیار آیا تھا اس نے لگے ہاتھوں انھیں یقین دلایا تھا کہ آئندہ ایسی کوئی غلطی نہیں ہو گی اور وہ خود بھی معافی اسی شرط پر دینے کو تیار ہوئی تھیں۔ دونوں بہنوں کو کمرے میں

چھوڑ کر وہ کچن میں آگئی تھی تاکہ ان کے لیے کھانے کا اہتمام کر سکے۔ابشام اور بدر صاحب بھی آفس سے سیدھا یہی آگئے تھے۔ گذشتہ سالوں سے اس گھر کے در و دیوار پر جو عجیب سی اداسی چھائی تھی وہ اب رفتہ رفتہ دور ہو رہی تھی۔شام کی چائے خوشگوار ماحول میں پی گئی تھی۔صفیہ بیگم کے بار بار منع کرنے کے باوجود بھی انیلا خالہ ان کے گھر ٹھہری تھیں۔ڈنر کے بعد بدر آنکل ڈرائیور کو بلوا کر گھر کے لیے روانہ ہو گئے تھے ابشام کچھ دیر میں نکلنے والا تھا۔وہ اس وقت لاؤنج میں بیٹھا میچ دیکھنے میں مصروف تھا ۔کچن کے سارے کام نمٹا کر وہ معمول کے مطابق اسٹڈی روم میں آگئی تھی۔آتے ہی کمرے کی لائٹ آن کرتی وہ مخصوص کرسی پر جا بیٹھی۔اس کی زیر مطالعہ کتاب وہیں پڑی تھی جسے اس نے چند روز قبل پڑھنا شروع کیا تھا۔

عمیر چلا گیا تھا اور اس کے چلے جانے سے آسیہ بیگم بالکل تنہا ہو گئی تھیں،وہ ان سے بے حد قریب تھا اس لیے اس کی کمی شدت سے محسوس ہو رہی تھی۔بیٹے کے کیریئر کا سوچ کر انھوں نے دل پر پتھر رکھ کر اسے بیرون ملک جانے کی اجازت دے دی۔وہ اس کے جانے سے افسردہ تھیں پر بیٹے کی ترقی کا سوچ کر اندر ہی اندر بے حد خوش تھیں ۔عمیر معاذ کے طبعیت کے بالکل برعکس تھا۔اس کی اور عافی کی شرارتوں اور نوک جوک سے پورے گھر میں زندگی مسکراتی تھی اب تو وہ بھی نہیں تھی اور معاذ مزاج کا

سنجیدہ تھا اسے شور شرابہ پسند نہیں تھا اس لیے ان کی حرکتوں پر انھیں کبھی کبھار ڈانٹ بھی دیتا تھا۔ پہلے نبیل صاحب کی فیملی تھی تو ان کا سارا وقت بھابھی اور عافی کے ساتھ خوشگوار گزرتا تھا لیکن ان کے الگ ہو جانے کے بعد اتنا بڑا گھر انھیں کاٹ کھانے کو دوڑتا تھا۔ عادل صاحب کی مزاج کی سختی میں کوئی تبدیلی تو نہیں آئی تھی۔ معاذ کی اس حرکت کے بعد تو وہ انھیں بہت کم ہی مخاطب کیا کرتے تھے۔ زیادہ تر وہ آفس کے کاموں میں ہی مصروف رہتے تھے۔ معاذ نے بھی ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے خود کو آفس تک محدود کر لیا تھا۔ خود کو مصروف کرنے کا یہ طریقہ نکالا تھا کہ واپسی پر جم چلا جاتا پھر رات میں ہی اس کی واپسی ہوتی تھی۔ عادل صاحب کی ناراضی اس سے جوں کی توں برقرار تھی وہ ہی اس کی ضروریات کا خیال رکھتیں اسے اپنی صحت کی طرف لاپرواہی برتے دیکھ کر اسے سمجھاتیں کہ وہ اپنی صحت کا خیال رکھے۔ کچھ دیر قبل ہی عادل صاحب گھر واپس آئے تھے اور آتے ہی چائے کا کہہ کر اپنے کمرے میں فریش ہونے چلے گئے۔ وہ کچن میں کھڑی چائے بنا رہی تھیں تبھی لاؤنج میں رکھا فون زور زور سے بجنے لگا۔ چائے تیار ہو گئی تھی۔ چولہا بند کر کے فون سننے کے لیے لاونج میں آئی تھیں لیکن ان کے پہنچنے سے پہلے ہی معاذ نے فون اٹھا لیا تھا۔ اس نے دوسری جانب کی بات سن کر رسیور رکھا اسی وقت عادل صاحب بھی لاونج میں داخل ہوئے

تھے شاید ان تک بھی بیل کی آواز پہنچی تھی۔وہ معاذ پر سرسری نگاہ ڈالتے ہوئے آسیہ بیگم کی جانب دیکھ کر بولے تھے۔

"کس کا فون تھا؟ "

"تایا جی اسپتال میں ہے،تائی امی بتا رہی تھیں کہ آفس میں ان کی طبیعت اچانک بگڑ گئی تھی۔ور کرز انھیں فوراً اسپتال لے گئے۔کچھ دیر پہلے ہی انھیں ہوش آیا ہے وہ بابا سے ملنا چاہتے ہیں۔"

وہ ساری تفصیل بتا کر وہاں سے جانے لگا تو عادل صاحب بولے۔"تم کہاں جا رہے ہو؟"

انھوں نے بیٹے کے انکار کو اس کی نافرمانی قرار دے کر اس سے لاتعلقی برت رکھی تھی

۔

"اسپتال۔۔۔! "باپ کے چہرے کا رنگ فق ہوتا دیکھ کر وہ جان گیا تھا کہ تایا جی کی بیماری کا سن کر وہ اندر ہی اندر تڑپ رہے تھے لیکن وہ اس کا اظہار کبھی بھی اپنے منہ سے نہیں کریں گے۔وہ اس بات سے بھی واقف تھا۔اس نے یک لفظی جواب دیا اور خاموشی سے کھڑا رہا اور واقعی نبیل صاحب کی ناساز طبیعت کا سن کر اس کا دل کانپا تھا۔ وہ اپنے بھائی سے گھر چھوڑ جانے کی وجہ سے ناراض تھے اور چاہ کر بھی اپنی ناراضی ختم

نہیں کر پائے تھے کئی بار ان کے دل نے بھائی سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تھی لیکن شاید یہ ان کی انا ہی تھی جو اب تک وہ بھائی سے ملے نہیں تھے۔جب عافی کی شادی کے دوران انھوں نے الگ گھر میں شفٹ ہونے کا بتایا تو انھوں نے صاف منع کر دیا تھا کہ انھیں کہیں جانے کی ضرورت نہیں۔عافی شادی کے بعد بھی اس گھر میں سب کے ساتھ رہے گی جس طرح وہ پہلے رہتی تھی۔وہ اس گھر کی بیٹی ہے شادی کے بعد اس کی حیثیت میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی۔اس وقت اپنے بھائی کی بات سن کر نبیل صاحب نے اس خیال کو خیر باد تو کر دیا تھا لیکن معاذ کے شادی سے انکار کے بعد اپنی بیٹی کو تکلیف میں دیکھ کر انھوں نے فیصلہ کیا کہ وہ اب مزید اس گھر میں نہیں رہیں گے کیوں کہ معاذ کی موجودگی میں عافی کو پچھلے دونوں ہوئی اپنی تزلیل نہیں بھولے گی۔ عافی کی آنکھوں میں معاذ کے لیے جذبات دیکھ کر ہی وہ اس شادی کے لیے بخوشی تیار تھے۔پھر یہ کیسے ممکن تھا وہ بیٹی کی آنکھوں میں آنسو دیکھنے کے لیے یہاں ٹھہرتے ۔انھوں نے حسن و یلا چھوڑنے کا عہد کر لیا جہاں انھوں نے اپنی تمام عمر گزاری تھی۔ ”مجھے بھی ساتھ لے کر چلو۔“ وہ اپنی شریک حیات کو دیکھ کر بولے تھے اور اس کے تائید میں چلتے ہوئے کار میں بیٹھ گئے۔کچھ دیر میں وہ سب اسپتال میں موجود تھے۔ عافی اور بھابھی انھیں کمرے کے باہر بینچ پر بیٹھی نظر آگئی تھیں۔وہ شکستہ قدموں سے

چلتے ہوئے ان تک پہنچے تو دونوں ماں بیٹی انھیں دیکھ کر ایک ساتھ کھڑی ہوئی تھیں ۔البتہ معاذ کچھ فاصلے میں ہی رک گیا تھا۔

"کہاں ہیں بھائی صاحب؟ "ان کا سامنا کرتے ہوئے انھیں شرمندگی ہوئی تھی۔ اندر کی ٹوٹ پھوٹ پر قابو پاتے ہوئے انھوں نے نبیل صاحب کے متعلق پوچھا تھا ۔مسز نبیل ان لوگوں کو دیکھ کر کب سے ضبط کیے آنسوؤں پر قابو نہ رکھ سکیں اور بے اختیار آنسو ٹوٹ کر ان کے رخسار بھیگونے لگے۔آسیہ بیگم نے آگے بڑھ کر انھیں تسلی دی جبکہ عادل صاحب نے اپنی بھابھی کی حالت دیکھ کر اپنا سر جھکا کر آنکھ میں آئے آنسو کو صاف کیا۔نبیل صاحب کو ان لوگوں کے آنے سے کچھ دیر پہلے آئی سی یو روم میں لے جایا گیا تھا۔ڈپریشن کے باعث ان کے جسم میں بلڈ سر کولیشن میں بگاڑ پیدا ہوئی تھی اور آفس میں کام کرتے ہوئے بی پی سوٹ کر جانے کے باعث ان کے دل نے ٹھیک طرح سے کام کرنا بند کر دیا اور وہ سینے پر ہاتھ رکھے کھڑے ہونے سے پہلے ہی کرسی سے گر گئے تھے اور اب ان کی حالت ڈاکٹر نے تشویشناک تھی ان کا کہنا تھا ان کا بچنا مشکل ہے۔وہ بس کوشش کر سکتے ہیں باقی اللہ کی مرضی۔عافی کو جب یہ خبر ملی تو وہ سکتے میں آگئی تھی اس کا باپ اس حال میں اسپتال کے کمرے میں اپنی آخری سانسیں گن رہا تھا۔آس پاس موجود لوگ اس دوران کس قسم کی گفتگو کر رہے

تھے اسے کچھ سمجھائی نہیں دیتا تھا۔وہ بس کسی بھی طرح اپنے باپ کو بچا لینا چاہتی تھی آنسو تواتر سے اس کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔ سبھی نفوس بے چینی میں گھرے نبیل صاحب کے لیے دعا گو تھے تبھی آئی سی یو کا دروازے کھلا اور ڈاکٹر طاہر باہر آئے تھے وہ ان کے فیملی ڈاکٹر اور ان کے عزیز دوست بھی تھے۔عادل صاحب نے بے چینی سے آگے بڑھ کر پوچھا۔ ''بھائی صاحب کیسے ہیں؟ ''

''ان کی حالت بہت خراب ہے عادل۔ابھی کچھ کہا نہیں جا سکتا، تم بس دعا کرو۔ ''

ڈاکٹر نے افسردہ لہجے میں بتایا اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر تھپتھپاتے ہوئے آگے نکل گئے۔جب انھیں ہوش آیا تو عادل صاحب ہی ان سے ملے تھے۔انھیں اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا تھا۔بیڈ پر لیٹا وجود پہلے کے مقابلے میں بے حد کمزور ہو گیا تھا وہ کہیں سے بھی پہلے والے نبیل حسن نہیں لگ رہے تھے جن کا چہرہ ہمیشہ ہشاش بشاش ہوا کرتا تھا۔

وہ آنکھیں بند کیے لیٹے تھے عادل صاحب کے پکارنے پر انھوں نے آنکھیں کھول کر سامنے کھڑے اپنے چھوٹے بھائی کو دیکھا اور انھیں دیکھتے ہی ان کی سانسیں اکڑنے لگیں۔

"بھائی صاحب۔۔کک۔۔۔کیا۔۔ہوا؟ "وہ گھبراتے کے مارے ہکلائے تھے پھر دوڑتے ہوئے ڈاکٹر کو بلانے کے لیے کمرے سے نکل گئے۔ڈاکٹر نے فوری طور پر انھیں انجیکشن لگایا تھا اور گھر والوں کو شش و پنج میں چھوڑ کر بنا کچھ بتائے ان کے کچھ مزید ٹیسٹ کر رہے تھے۔

وہیں آئی سی یو کے باہر ان کی پوری فیملی موجود تھی۔عادل صاحب پریشانی میں ٹہل رہے تھے وہاں موجود ہر نفوس پر ایک سی کیفیت طاری تھی۔عافی بار بار اپنے باپ سے ملنے کی ضد کر رہی تھی مگر ڈاکٹر نے ان کے قریب سے منع کیا تھا ان کا کہنا تھا وہ ابھی اس حال میں نہیں ہیں کہ کسی سے مل سکیں۔

اس رات اس نے سجدے میں گر کر اپنے باپ کی زندگی کے لیے بہت دعائیں مانگی تھیں مگر رب کو کچھ اور ہی منظور تھا۔جب وہ وہاں پہنچی تو نبیل صاحب کی موت کی خبر سن کر وہ توازن برقرار نہیں رکھ پائی اور چکرا کر گئی تھی۔

π•••••••••••••••••

ایک دو دن کے اندر صفیہ بیگم پوری طرح ٹھیک ہو گئیں تو انیلا بیگم نے اپنے گھر کا رخ کیا۔انھیں گھر آئے آج ایک ہفتہ گزر گیا تھا۔ان کی غیر موجودگی میں گھر کی حالت ابتر تھی ملازموں نے اپنی کوتاہی کا ثبوت پیش کرتے ہوئے گھر کی ٹھیک طرح سے

صفائی تک نہ کی تھی۔آج کا سارا دن گھر کی صفائی کروانے میں گزر گیا تھا۔تھکاوٹ کے باوجود انھوں نے خود ہی ڈنر تیار کیا تھے۔بدر صاحب آفس سے دوپہر میں ہی لوٹ آئے تھے اور اپنے کمرے میں آرام کر رہے تھے۔ابشام کے آتے ہی انھوں نے مل کر چائے پی تھی اور اب وہ تینوں ڈنر ٹیبل پر موجود تھے۔بدر صاحب نے اپنا کھانا مکمل کر کے نیپکین سے ہاتھ صاف کیا اور انیلا بیگم کی جانب دیکھ کر بولے تھے وہ خود بھی کھانا ختم کر چکی تھیں۔

"انیلا۔۔میں سوچ رہا ہوں ہمیں پاکستان آئے بھی کافی عرصہ ہو گیا ہے اور اپنی مصروفیات کی وجہ سے رشتے داروں اور دوست احباب سے ملنے کا وقت ہی نہیں ملا ۔کیوں نہ ہم ایک چھوٹی سی گیٹ ٹو گیدر رکھ لیں۔تمہارا اس بارے میں کیا خیال ہے "انھوں نے اپنے سوچ سے آگاہ کرتے ہوئے مشورہ طلب کیا۔

"بالکل ٹھیک سوچا ہے آپ نے بدر۔ہم پچھلے دنوں جن مشکلات سے دوچار ہوئے اس دوران ہمیں کسی سے ملاقات کا موقع ہی نہیں مل سکا۔دعوت کے ذریعے سب سے میل ملاپ بھی ہو جائے گی اور ہم مستقل پاکستان آ گئے ہیں۔کتنے تو اب بھی اس بات سے لاعلم ہیں۔ "وہ ان کی بات کی تائید میں بولی تھیں۔

تو ٹھیک ہے۔ پھر اس ویک اینڈ کو ہی دعوت کا اہتمام کر لیتے ہیں۔ تمہیں اپنے حلقہ احباب میں جسے بھی بلوانا ہے انھیں دعوت نامہ بھیج دینا۔ میں بھی اپنے دوستوں کو فون پر مدعو کر دوں گا۔

انھوں نے فوراً ساری تفصیلات سے آگاہ کیا اور اپنی جگہ چھوڑ کر کھڑے ہو گئے انیلا بیگم نے سر اثبات ہلایا اور گلاس میں پانی انڈیلنے لگیں ابشام دونوں کے درمیان خاموش بیٹھا کھانے میں مصروف تھا۔ بدر صاحب اپنے کمرے میں چلے گئے۔ ابشام نے کرسی گھسیٹ کر اٹھنا چاہا تو انیلا بیگم نے اسے ٹوکا، وہ گلاس سائیڈ کرتی پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہوئی تھیں۔

"ابشام!، تم بھی دوستوں کو انوائیٹ کر لینا اور کل آفس سے واپسی پر خالہ کی طرف سے ہو آنا۔ صفیہ کو میں فون پر بتا دوں گی انھیں بھی اس دعوت میں شرکت کرنی ہے تم جا کر ایک بار بتا بھی دینا۔ "

"اوکے ماما!، میں چکر لگاتا ہوں کل۔ رات کافی ہو گئی ہے اب آپ سو جائے۔ گڈ نائٹ ۔ "آفس میں سارا دن فائلوں میں سر کھپاتے اور میٹنگ اٹین کر کے وہ بالکل تھک گیا تھا۔ اپنی ماں کی بات کو پوری توجہ سے سننے کے بات وہ انھیں آرام کا کہہ کر اپنے

کمرے میں چلا آیا۔ کل کلائنٹ کے ساتھ ایک ضروری میٹنگ تھی اس لیے اسے صبح سویرے ہی آفس کے لیے نکلنا تھا۔

اگربتی کی بھینی خوشبو ہر سو پھیلی ہوئی تھی۔ لاؤنج میں خواتین کے بیٹھنے کا انتظام کیا گیا تھا جہاں خواتین کا ایک مجموعہ سپارے پڑھ رہی تھیں۔ لاونج سے کچھ فاصلے پر کھڑا معاذ اور جنید، ''عافی کا بھائی ''تعزیت کے لیے آئے لوگوں سے مل کر اظہار افسوس کر رہے تھے۔ وہ باپ کی موت کی خبر سن کر بھاگے چلا آیا تھا اس کے ساتھ اس کی بیوی سارہ اور بیٹا، تابش بھی تھے۔ سارے انتظامات وہ دونوں لڑکے ہی دیکھ رہے تھے۔

عمیر کی واپسی اتنی جلدی ممکن نہیں تھی۔ وہیں عادل صاحب سفید شلوار سوٹ میں ملبوس نبیل صاحب کے دوست اور بزنس پارٹنر کے ساتھ بیٹھے کسی گہری سوچ میں محو تھے۔ ان کے چہرے پر اداسی نمایاں تھی۔ اس کا بھائی دیار حقیقی سے جا ملا تھا جس نے والدین کے گزر جانے کے بعد ماں باپ دونوں بن کر پالا تھا انھیں کسی بھی چیز کی کمی نہیں ہونے دی تھی۔ وہ محض ان سے چار سے پانچ سال ہی بڑے تھے لیکن ان کی ہر خواہش منٹوں میں پوری کرنے کے لیے ہر وقت تیار کھڑے رہتے تھے ان کی منہ سے نکلی ہر بات کو اہمیت دی تھی شاید یہی وجہ تھی کہ عادل صاحب کو اپنی بات منوانے کی عادت پڑ گئی تھی اور ان کے محبت کا غلط فائدہ اٹھاتے ہوئے انھوں نے کچھ غلط فیصلے بھی

کیے تھے۔وہ ٹرانس کی کیفیت میں گھرے کتنی ہی دیر بت بنے بیٹھے رہے۔انھیں یقین نہیں آرہا تھا کہ ان کا بھائی اب نہیں رہا۔

"عادل صاحب! کیا ہوا، آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟ "سامنے بیٹھے آدمی نے کئی بار پکارنے کے بعد جواب نہ ملنے پر ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا تھا اور شاید ان کے اس عمل سے وہ ہوش میں آئے تھے۔

"کک۔۔کچھ نہیں۔ٹھیک ہوں میں۔ "وہ سرد آہ بھر کر سیدھا ہو کر بیٹھ گئے۔بس کچھ ہی دیر میں سارے مرد حضرات قبرستان کے لیے نکلنے والے تھے۔نبیل صاحب کی موت کی خبر سن کر عافی کا نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا۔دو دن اسپتال میں ایڈمٹ رہنے کے بعد آج صبح اسے اسپتال سے ڈسچارج کر دیا گیا تھا۔ابھی وہ اپنے کمرے میں تھی۔اس کے ساتھ مسز نبیل، آسیہ بیگم، سارہ اور عافی کی دوست نرمین بیٹھی تھیں۔ عافی تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھی خلع میں گھور رہی تھی وہ جب سے گھر آئی تھی اس نے کسی سے کوئی بات نہیں کی تھی بس خاموشی بابا کو یاد کر کے آنسو بہا رہی تھی۔

"عافی! پلیز کچھ کھالو! "نرمین کو اپنی دوست کی حالت دیکھی نہیں جا رہی تھی۔نبیل آنکل کی اس سے والہانہ محبت دیکھ کر وہ ہمیشہ اس کی قسمت پر رشک کرتی تھی۔دونوں کی ایک دوسرے میں گویا جان بستی تھی یہ بات وہ بخوبی جانتی تھی۔ان کے یوں

اچانک چلے جانے کے باعث وہ کس تکلیف سے گزر رہی تھی اس کا اندازہ لگانا مشکل تھا ۔ مگر وہ اسے اس حال میں دیکھ کر تکلیف ہو رہی تھی۔ صبح سے اس نے کچھ نہیں کھایا تھا نرمین اپنے گھر سے اس کے لیے سوپ بنا کر لائی تھی تاکہ پلا کر دوائی دے سکے۔

"میرا دل نہیں ہے۔ "

عافی نے اس کی جانب دیکھ کر قطعیت سے کہا۔

"آنٹی آپ ہی اسے سمجھائیں۔ نرمین نے سامنے بیٹھی مسز نبیل سے کہا اور سوپ کا پیالہ انھیں تھما کر وہیں اس کی چوکیداری کے لیے بیٹھ گئی۔

عافی کی ماما خود بھی اندر سے ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھیں لیکن انھوں نے بیٹی کے سامنے اپنے آنسوؤں پر ضبط کیا ہوا تھا انھیں کمزور نہیں پڑنا تھا کیوں کہ اگر وہ ہمت سے کام نہ لیتیں تو پھر اسے کون سنبھالتا۔

انھوں نے اسے بمشکل چند چمچہ سوپ کا پلا کر اسے نیند کی گولی دے کر سلا دیا تھا۔ ڈاکٹر نے سختی سے ہدایت کی تھی کہ اسے ہر قسم کے صدمے سے دور رکھا جائے ورنہ نروس بریک ڈاؤن کی وجہ سے اس کی جان کو خطرہ ہو سکتا ہے اور وہ نہیں چاہتی تھی کہ ان کی بیٹی رو رو کر اپنی طبیعت مزید خراب کر لے۔ شوہر کو کھو کر انھوں نے جیسے تیسے صبر کر رکھا تھا اگر اسے کچھ ہو جاتا تو وہ زندہ نہیں رہ پاتیں۔ کیوں کہ شوہر کے بعد ان میں بیٹی

کو کھونے کا حوصلہ نہیں بچا تھا۔ شام تک سب قریبی رشتے دار اپنے اپنے گھر روانہ ہو گئے تھے۔ عادل صاحب کی فیملی، نرمین ان کے ساتھ ٹھہری تھیں۔

چند روز بعد عادل صاحب نے آفس دوبارہ سے جوائن کر لیا تھا۔ معاذ کی بھی چھٹی ختم ہو گئی تھی اس طرح دونوں باپ بیٹے آفس سے واپسی پر کبھی کبھار چکر لگا لیتے۔ نرمین کچھ دن ٹھہر کر اپنے گھر چلی گئی تھی اور فون پر بات کر کے اس کا دل بہلانے کی کوشش کرتی تھی۔ کئی بار وہ اس سے ملنے بھی آ چکی تھی۔ مسز نبیل کی بہن ایک ہفتے بعد اپنے شوہر کے ساتھ پاکستان آئی تھیں۔ کچھ سال قبل وہ اپنی فیملی سمیت بیرون ملک شفٹ ہو گئی تھیں۔ وہ نبیل صاحب کے تدفین کے وقت فوری فلائٹ نہ ملنے کی وجہ سے پہنچ نہیں پائی تھی جس کے لیے آتے ہی انھوں نے معذرت کی بھی تھی، کچھ دن انھیں یہیں رکنا تھا البتہ ان کا بیٹا اپنے سمسٹر کی پیپرز میں مصروف تھا۔ وقت تیزی سے گزر رہا تھا سبھی اپنی زندگی میں مصروف ہو گئے تھے۔ گھر کے سارے کام سارہ دیکھ رہی تھی اس نے اچھی بہو ہونے کا ثبوت دیا تھا۔ جبکہ عافی اس دن کے بعد زیادہ سے زیادہ قرآن پاک کی تلاوت کرنے میں مشغول رہتی۔ وہ کلام پڑھ کر نبیل صاحب کے لیے دعائے مغفرت کرتی تھی اور ننھے تابش کو لے کر اپنے کمرے میں پڑے رہتی ۔اب اس نے پہلے کی طرح رونا چھوڑ دیا تھا جب کبھی اسے باپ کی یاد آتی تو وہ انھیں یاد

کر کے ان کے حق میں دعا کرتی۔جب وہ حیات تھے اس کے آنسو دیکھ کر تڑپ اٹھتے تھے۔وہ جانتی تھی اس کے آنسو اس کے باپ کی روح کو تکلیف پہنچائے گی اس لیے اس نے رونا چھوڑ کر دعاؤں کا سلسلہ طویل کر دیا تھا۔معاذ ابھی آفس سے سیدھا یہاں چلا آیا ان دونوں جب بھی وہ آیا تائی امی سے ہی ملا تھا۔اس کا سامنا عافی سے بہت کم ہی ہوا تھا۔وہ اب اس سے بات تک نہیں کرتی تھی بس ہر وقت اپنے کمرے تک بند رہتی تھی۔شوخ و چنچل اور باتونی قسم کی یہ لڑکی کہیں کھو گئی تھی۔تایا جی کے انتقال کے بعد وہ بالکل چپ اور سنجیدہ رہنے لگی تھی۔معاذ کے ہمراہ آج عادل صاحب بھی آئے تھے۔وہ بہت کم ہی یہاں آتے تھے۔

لاونج میں اس وقت عافی کی آنکل آنٹی،سارہ،معاذ،آسیہ بیگم،عادل صاحب ایک دوسرے کے مد مقابل بیٹھے تھے۔جنید اس وقت تابش کو لے کر باہر گھومانے گیا تھا۔مسز نبیل اپنے کمرے میں تھیں جبکہ عافی کچن میں سب کے لیے چائے بنا رہی تھی اسی دوران انھوں نے عافی کی خالہ کو مخاطب کیا۔

"بہن جی۔مجھے آپ سے ضروری بات کرنا تھی،کچھ دنوں میں آپ یہاں سے چلی جائیں گی تو میں نے سوچا کیوں نا آپ سے یہ بات آج ہی کر لوں۔ "عادل صاحب نے

تمہید باندھی۔انھوں نے صوفے سے ٹیک لگا رکھی تھی اب وہ بالکل سیدھا ہو کر بیٹھ گئے تھے۔انیلا بیگم بھی ان کی متوجہ ہوئیں۔

"میں چاہتا ہوں جب بھابھی کی عدت پوری ہو جائے گی تو وہ اور عنبر حسن ویلا میں آ کر ہمارے ساتھ ہی رہیں، جنید بھی چلا جائے گا تو وہ دونوں اکیلی رہ جائیں گی۔ "عادل صاحب نے اتنے دنوں سے ذہن میں آئے خیالات سے انھیں آگاہ کیا البتہ انیلا بیگم نے ان کی بات کا جواب دینے سے پہلے شوہر کے جانب دیکھا تھا پھر بولیں۔

"عادل بھائی۔۔آپ نے یہ بھی فیصلہ کیا ہے وہ یقیناً ٹھیک ہی ہو گا لیکن بہتر ہو گا کہ آپ ایک بار صفیہ اور عنبر سے بھی پوچھ لیں۔"انھوں نے مصلحتاً کہا تھا وہ اپنی بہن اور بھانجی کی مرضی کے بغیر جواب نہیں دے سکتی تھیں۔

"آپ کا کہنا درست ہے انیلا!، لیکن مجھے نہیں لگتا عافی کو کوئی اعتراض ہو گا پھر بھابھی وہ تو خود بھی وہاں سے آنے پر رنجیدہ تھیں۔آپ کہتی ہیں تو ہم ان سے ایک بار پوچھ لیں گے۔ "اس بار عادل صاحب کے بجائے آسیہ بیگم بولی تھیں۔عنبر افشاں جسے عمیر نے بچپن میں عافی کا نام دیا تھا اسے دیکھ کر سبھی نے اسے پیار سے عافی کہہ کر بلانا شروع کر دیا تھا وہ حسن ویلا کے لیے عافی بن کر رہ گئی تھی اس کا اصل نام تو جیسے وہ لوگ بھول ہی گئے تھے، وہ ان کی بیٹی کی طرح تھی۔معاذ اور عمیر کی پیدائش کے بعد

جب نبیل بھائی کے گھر عنبر کی پیدا ہوئی تو انھیں جو بیٹی کی کمی محسوس ہوتی تھی عافی کی صورت میں پوری ہو گئی تھی ورنہ ان کی دریہ خواہش تھی کہ کاش وہ بھی ایک بیٹی کی ماں ہوتیں۔

"آسیہ ٹھیک کہہ رہی ہے عافی کو بھلا کیوں اعتراض ہو گا۔ بھائی صاحب کے بعد ہم دونوں کو تنہا تو نہیں چھوڑ سکتے نا!، آخر وہ بھی ہماری فیملی کا حصہ ہیں اور اپنی فیملی کا خیال رکھنا ہم پر فرض ہے۔ "انیلا بیگم کی بات انھیں زیادہ پسند نہیں آئی تھی وہ تو فیصلے کرنے کے عادی تھے، سو انھوں نے اپنا فیصلہ سنایا۔ کتنی عجیب بات تھی نا وہ فیملی جس سے چار ماہ قبل تک وہ ملنے تک نہ تھے اچانک ان کے دل میں اس کی فکر جاگی تھی ۔عافی کو تو یہی لگا تھا۔

"میں کہیں نہیں جاؤں گی خالہ جان!، آپ انھیں بتا دیں اب یہ ہی ہمارا گھر ہے۔ "

اسی وقت لاؤنج میں داخل ہوتی عنبر نے گویا بم پھوڑا۔ وہ مخصوص چال چلتی ہوئی ان کے قریب آئی۔ ہاتھ میں پکڑی چائے کی ٹرے کو میز پر دھرا اور سب پر ایک نگاہ ڈال کر وہاں سے چلی گئی۔ اس کا انداز وہاں موجود سب کے ہوش اڑا گیا تھا جس کی وجہ سے کچھ پل ان کے درمیان خاموشی حائل رہی۔

انیلا بیگم نے سرد آہ بھر کر اپنا پہلو بدلا جبکہ بدر صاحب اپنی بیگم کی جانب دیکھ کر سب سے معذرت کرتے ہوئے وہاں سے اٹھ کر چلے گئے تھے۔یہ دونوں فیملی کا ذاتی معاملہ تھا وہ کچھ بھی بولتے تو بُرا بنتے اس لیے انھوں نے خاموش رہنے کو ترجیح دیا۔انیلا بیگم سارہ کو دیکھ کر اپنے لب کاٹتے رہ گئی تھی۔

عنبر کی رویے پر عادل صاحب نے اس وقت کچھ نہیں کہا لیکن انھوں نے چائے کے کپ کو ہاتھ تک نہیں لگایا وہ سب کے سامنے اپنی توہین پر ضبط کیے بیٹھے رہے، جس لڑکی نے ہمیشہ سے ان کی عزت کی تھی اس کا بدلا ہوا روپ دیکھ کر انھیں حیرانی ہوئی تھی اور کچھ فاصلے پر بیٹھا معاذ جس نے کچھ ماہ قبل ان کے فیصلے سے رو گردانی کی تھی وہ ان کے چہرے کو دھواں ہوتے بغور دیکھ سکتا تھا،وہ جان گیا تھا کہ اس وقت وہ کتنے غصے میں تھے اگر وقت وحالات مختلف ہوتے تو شاید عافی کا جواب سُن کر وہ ضرور بھڑکتے مگر انھوں نے اپنی زبان سے ایک لفظ بھی نہیں کہا یقیناً یہ کسی بڑے طوفان کے آمد سے پہلے کی خاموشی تھی۔

اور توقع کے عین مطابق یہ ایک طوفان ہی تھا جس کی لہروں کے زد میں سبھی فریقین آئے تھے۔وہ غصے سے اٹھے اور دونوں ماں بیٹے کو چلنے کا حکم صادر کیا۔جب وہ گھر پہنچے تو کسی سے بھی کوئی بات کیے بغیر وہ سوتے بن گئے جیسے انھیں کب سے نیند آرہی ہو۔

انھوں نے ڈنر بھی نہیں کیا۔دونوں ماں بیٹے ایک دوسرے کی شکل دیکھ کر رہ گئے جانتے تھے عافی کے رویے سے انھیں تکلیف پہنچی ہے لیکن اگر وہ عافی کو سامنے رکھ کر سوچتے تو اس کا فیصلہ حق بجانب لگتا۔اس نے اپنے باپ کو کھویا تھا پھر اپنی زندگی میں اس گھر کو چھوڑنے کا فیصلہ نبیل صاحب نے ہی کیا تھا اس سچ کو بھی جھٹلایا نہیں جا سکتا تھا کیوں کہ تقریباً سب ہی جانتے تھے اس کے پیچھے حقیقت کیا تھی،اور کس مصلحت کے تحت نبیل صاحب نے یہ کھٹن فیصلہ کیا تھا جس کی وجہ سے ناراضی اور دوری دونوں بھائیوں کے درمیان آ ٹھہری تھی۔ نبیل صاحب نے تو کئی بار فون کر کے اپنے چھوٹے بھائی کا پوچھا تھا لیکن وہ ناراضی کے انتہا کو پہنچے ان سے ملے تک نہیں تھے۔

واپسی کے بعد سے عادل صاحب نے عافی اور بھابھی کا ذکر تک نہ کیا تھا اور نہ ہی انھیں ان کے گھر جانے کو کہا کہ وہ جا کر پھر سے انھیں یہاں آنے کے لیے اصرار کرے۔ انھوں نے پوری طرح سے لاتعلقی برت لی تھی۔کچھ دن کے اندر عمیر نے آسیہ بیگم کو فون کر کے بتایا تھا کہ وہ کچھ دن کے لیے واپس آ رہا ہے۔وہ بے حد خوش تھیں کہ عمیر آ رہا ہے اور جس دن وہ آیا تھا اس کی خاطر داری کے لیے انھوں نے بہت سا اہتمام کیا تھا۔

"کیسا چل رہا ہے سب کچھ ؟ "وہ اتنے گھنٹوں میں پہلی بار ڈنر ٹیبل پر عمیر سے مخاطب ہوئے تھے۔

"بہت اچھا بابا۔۔۔اس نے اپنی پلیٹ میں بریانی ڈالتے ہوئے سرسری سا بتایا تو وہ اس سے مزید کچھ سوال کرنے کے بعد خاموش ہو گئے۔

معاذ خاموشی سے بیٹھا دونوں کے درمیان سرسری سے ہوتی گفتگو کو سنتا رہا اور اپنا کھانا ختم کر کے اٹھ کر اپنے کمرے میں چل دیا۔

عمیر گھر کے ماحول سے واقف تھا۔آسیہ بیگم سے اسے خبر ملتی رہتی تھی۔وہ آج آکر کچھ گھنٹے آرام کرنے کے بعد سیدھا تائی امی سے ملنے گیا تھا۔ان کا شفقت بھرا لمس پا کر اس نے کتنے ہی دیر اس کے گھٹنوں پر سر رکھے ان سے باتیں کیں۔جنید اور اس کی بیوی اس سے بہت اچھے سے ملے تھے۔اس دوران عافی سے بھی بات کرنے کی کوشش کی پر اس کا انداز لیے دیئے سا تھا۔شاید وہ تایا جی کی موت کی وجہ ان سب کو سمجھتی تھی،وہ جانتے ہوئے انجان بن رہی تھی یا پھر بھول گئی تھی کہ زندگی اور موت تو صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جب چاہے اپنے بندے کو اپنے پاس واپس بلا لے اور جب چاہے مٹی کے اس پتلے میں نئی روح پھونک دے۔

وہ شام میں ہی واپس لوٹ آیا تھا ڈنر ختم کر کے وہ اپنے کمرے میں آ گیا۔ بیڈ پر لیٹا وہ بدلتے وقت اور بدلتے رشتوں کی اس عکس کو اپنی نظروں سے جھٹکنے کی کوشش میں لگا رہا۔ رشتوں کے درمیان سرد مہری آ گئی تھی جنھیں شاید انا کی دیوار گرا لینے سے ختم کیا جا سکتا تھا لیکن اب انا کو پالنے والا اس کا باپ واحد شخص نہیں تھا کوئی اور بھی تھا جسے اپنی انا عزیز ہو گئی تھی۔ عنبر افشاں، جو کبھی اس کی ہمراز اور بہترین دوست ہوا کرتی تھی وہ عمیر کی بات سننے تک کو تیار نہیں اور نہ اسے معاف کرنے کو۔ وہ بے چارہ کیا کرتا اپنی سی کوشش میں لگا تھا۔ جتنے دن وہ پاکستان میں رہا اس دوران وہ تائی امی کی طرف چکر لگاتا رہا۔ پھر اس نے واپسی کی ٹکٹ کروائی کیوں کہ اس کے کام کا حرض ہو رہا تھا۔

جب صفیہ بیگم عدت سے اٹھیں تو چند روز بعد ہی جنید کی فلائٹ تھی۔ اس نے جانے سے پہلے عنبر کو سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

"عنبر! میرا جانا ضروری ہے وہاں سے مستقل یہاں شفٹ ہونے میں مجھے وقت لگے گا۔ اس لیے میں خود بھی چاہتا ہوں کہ تم ماما کے ساتھ حسن ویلا چلی جاؤ۔ کم از کم اس وقت تک جب تک میں نہیں آ جاتا۔ وہ ہمارے اپنے ہیں کبھی نہ کبھی تو ہمیں اپنی یہ ناراضی ختم کرنا پڑے گی۔ مجھے پتا ہے اگر بابا زندہ ہوتے تو انھوں نے چچا جی کو اب تک

معاف کر دیا ہوتا۔ بلکہ وہ تو ان سے ملنے کو تڑپ رہے تھے ماما نے بتایا تھا مجھے، چچا جی ان سے اسپتال میں ملنے آئے تھے۔ "وہ جاتے جاتے بھی عنبر کے لیے فکر مند تھا اور بہن کی نادانی سے ڈر رہا تھا۔

"جنید بھائی۔۔مجھے کہیں نہیں جانا۔"اس کی آواز بھر آئی۔اس کی ایک ہی ضد تھی کہ وہ اب یہیں رہنا چاہتی تھی اور اس کی ضد کے آگے صفیہ بیگم بھی بے بس تھی پھر وہ کیوں نہیں ہوتا۔وہ خاموش ہو گیا اور پھر یو ایس کے لیے نکل گیا۔اسے چھوڑنے صفیہ بیگم اور عنبر آئیر پورٹ آئی تھیں۔ نبیل صاحب کا بزنس کے کچھ شیئر ان کے دوست طلحہ یزدانی نے خرید لیے تھے اس طرح نبیل صاحب کے بزنس میں وہ پارٹنر بن گئے تھے۔ان کے کچھ مخلص لوگ ہی اس بزنس کو سنبھال رہے تھے۔ کبھی کبھار عنبر آفس کا چکر لگا لیا کرتی تھی۔انھی دنوں اس نے اپنی یاسیت مٹانے کے لیے سینٹر جوائن کیا تھا تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ خود کو مصروف رکھ سکے۔

سرمئی بادل کب کے سیاہ رنگ میں تبدیل ہو گئے تھے جس پر ننھے ننھے تارے جھلملا رہے تھے۔اس نے اداسی سے اس تاریکی کو خود میں جذب کرنے کی کوشش کی پھر گاڑی سے اتر کر تیز قدموں سے چلتی دروازے تک آئی اور بیل دے کر گیٹ کھلنے

کا انتظار کرنے لگی۔آج سینٹر سے واپسی پر اسے کافی دیر ہو گئی تھی ورنہ اس وقت تک وہ اپنے کمرے میں آرام کر رہی ہوتی۔ مسز حمیدہ جبار (اس کی کولیک) چھٹی پر تھیں جس کی وجہ سے ان کی کلاس بھی اسے لینا پڑی۔جب وہ سینٹر کے باہر کھڑی ٹیکسی کا انتظار کر رہی تھی تبھی کچھ فاصلے پر وہ کار میں بیٹھا انتظار کرتا نظر آیا۔اسے ناگواری سے دیکھ کر وہ اپنا رخ پھیر گئی۔وہ جانتی تھی وہ یہاں کس کے کہنے پر آیا تھا۔اسے سوچ کر ہی شدید غصہ آیا۔اس بار وہ صاف انکار کر دے گی اس نے ارادہ کیا مگر اپنی سوچ کے مطابق عمل کرنے کی نوبت ہی نہیں آئی کیوں کہ تب تک وہ کار بالکل قریب روک کر اسے بیٹھنے کا کہہ رہا تھا اور اس بار بھی وہی حوالہ دیا گیا جس کے سامنے وہ بے بس ہو کر ناچاہتے ہوئے، بے دلی سے سہی اس کے ساتھ گھر آنے پر مجبور ہو جایا کرتی تھی۔

پورے راستے خاموشی سے وہ اپنی جگہ سمیٹ کر بیٹھی رہی تھی وہ خود بھی خاموشی سے ڈرائیو کرتا رہا۔اس نے سرد آہ بڑھتے ہوئے اترتے سمے مروتا اس کا شکریہ ادا کیا تھا۔جنید بھائی نے اسے کتنی بار کہا تھا کہ وہ اپنی کار خرید لے تاکہ وہ آسانی سے کہیں بھی آجا سکے لیکن وہی بضد تھی۔اس کا کہنا تھا وہ ٹیکسی میں پر سکون ہو کر سفر کر لیتی ہے تو اپنی ذاتی گاڑی لینے کی ضرورت ہی کیا ہے۔وہ بھی تب جب اسے ڈرائیونگ نہ آتی ہو۔دروازہ کھلا تو وہ اندر آگئی صفیہ بیگم دروازہ بند کر کے اس کے پیچھے چلنے لگیں۔

''ابشام چلا گیا؟ ''اسے اکیلی دیکھ کر انھوں نے استفسار کیا۔وہ اب اس کے قدم سے قدم ملا کر چل رہی تھیں۔

''ہمم چلا گیا۔ ''رک کر ان کے چہرے پر نگاہ ڈالتی وہ جان چھڑانے والی انداز میں بولی تھی۔اسے ابشام نامہ سننے میں قطعی دلچسپی نہیں تھی وہ رفتہ رفتہ دونوں ماں بیٹی کے درمیان آ گیا تھا اور یہ بات اسے ناگوار گزرتی تھی۔

''تم نے اسے روکا کیوں نہیں عنبر؟ میں اس کے لیے کافی بنا رہی تھی۔ ''ابشام کے باہر سے چلے جانے کا سن کر وہ اداس ہو گئیں۔''

''میں کیسے روکتی ماما۔اسے کہیں جانا تھا وہ چلا گیا اور ضرورت کیا تھی اس شخص کو وہاں بھیجنے کی ماما!،میں کوئی نو دس سال کی بچی نہیں ہوں جس کے لیے ایک گارڈ مختص کیا جائے۔میں اپنا خیال خود رکھ سکتی ہوں آپ اسے منع کر دیں آئندہ وہ یوں میرے پیچھے نہ آئے۔ ''اس نے کب سے دل میں رکھی بات آج کہہ ڈالی اسے ابشام کو اس کے سینٹر آنا بالکل بھی پسند نہیں تھا،پہلے بھی وہ اکیلی آتی جاتی تھی تو اب بھی آ جاتی،وہ کیوں اپنا ٹائم اور اس کا موڈ خراب کرنے آ جاتا ہے،انداز کچھ ایسا تھا حالانکہ اس نے اندر آنے کا کہا تک نہیں تھا۔

"میں نے بھیجا تھا، اتنی رات ہونے کے باوجود بھی جب تم گھر نہیں لوٹی تو مجھے تمہاری فکر ہونے لگی تھی "ہر ماں کی طرح وہ بھی پریشان ہوئی تھیں اور جب ابشام کو پتا چلا کہ وہ اب تک سینٹر میں ہی ہے تو وہ انھیں تسلی دے کر اسے لینے پہنچ گیا۔

اور اب وہ اس بات کو لے کر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کر رہی تھی۔

"آپ نے ڈنر کر لیا؟ "ماں کا اترا چہرہ دیکھ کر اس نے گویا موضوع بدلنا چاہا۔

"نہیں۔ "انھوں نے کن آکھیوں سے دیکھ کر جواب دیا۔ وہ اکیلے ڈنر نہیں کرتی تھیں یہ بات جانتے ہوئے بھی اس نے پوچھا تو وہ سمجھ گئیں کہ وہ اب بات ختم کر دینا چاہتی ہے۔

"اوہو چلیں نا ماما۔ مجھے تو آج بہت بھوک لگی ہے۔ اس نے بازو ان کے گرد حائل کرتے ہوئے لاڈ سے کہا تو صفیہ بیگم اس حرکت پر مسکرا دیں۔ دونوں ایک ساتھ چل کر اندر آئی تھیں۔ بے حد خاموشی کے ساتھ دونوں نے ڈنر کیا تھا پھر عنبر پلیٹ رکھنے کچن میں چلی گئی تو صفیہ بیگم اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف چل دیں مگر جاتے جاتے کچھ یاد آنے پر انھیں رکنا پڑا۔ اب وہ وہیں کھڑی اس کا انتظار کر رہی تھیں۔ تھوڑی دیر میں وہ ان کے بالکل سامنے کھڑی تھی۔

"کیا ہوا ماما۔کچھ چاہیے تھا کیا آپ کو؟آپ بتائیں میں لے آتی ہوں۔ "صفیہ بیگم کو دیکھ کر اس نے پوچھا۔

"نہیں بیٹا کچھ نہیں چاہیے۔میں تو بس سونے ہی جا رہی تھی پھر یاد آیا خالہ نے فون کیا تھا۔اس ہفتے ان کے گھر ایک دعوت ہے جس میں سبھی جاننے والے شرکت کر رہے ہیں ،ہمیں بھی اس میں مدعو کیا ہے۔ابشام یہی بتانے آیا تھا۔ "انھوں نے بتایا۔

"اچھا۔۔۔! "اس پورے ویک اس کے کرنے کو بہت سے کام تھے پھر دعوت اٹینڈ کرنا ،وہ سوچ میں پڑ گئی۔

"کیا ہوا؟ "اسے خاموش دیکھ کر انھوں نے پوچھا۔

"کچھ نہیں ماما۔۔۔چلیں اب سو جاتے ہیں ،رات بہت ہو گئی ہے۔ "وہ مسکرا کر بولی اور اپنی ماما کو ان کے کمرے میں چھوڑ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔

دوسرے روز بھی اس کے سامنے ایک طویل کاموں کی لسٹ پڑی تھی اس لیے وہ صبح جلدی اٹھ گئی تھی۔گھر کے کاموں سے فارغ ہو کر آفس کی طرف ایک چکر لگا لیا۔ پچھلے دنوں اکاؤنٹ میں ہوئی غلط ریکارڈ کی درستی میں اپنا دماغ کھپانا پڑا تھا۔اس بار آرڈر بھی دیکھنے تھے۔

دو چار دنوں میں اس نے اس چکر میں خود کو گھن چکر بنالیا تھا۔ صبح آفس پھر شام میں سینٹر۔۔ جس کام کو اس نے مصروف اور فضول سوچوں سے دور رکھنے کے لیے کرنا شروع کیا تھا اس دوڈھائی سالوں میں اس کے پیچھے بُری طرح الجھ کر رہ گئی تھی۔ وہ شدت سے دعا کرتی کہ جنید واپس آجائے تاکہ وہ ہی اسے سنبھالے اور اسے کچھ وقت مل سکے جسے وہ گھر میں رہ کر گزارنا چاہتی تھی۔ نبیل صاحب کے چلے جانے کے بعد اس کی زندگی میں نمایاں تبدیلی آئی تھی۔ ہر وقت شرارت کرنے والی لاابالی سے لڑکی سنجیدہ اور معاملہ فہم ہو گئی تھی۔

آج اس نے سینٹر سے چھٹی لے لی تھی کیوں کہ اسے آفس کے بعد مارکیٹ کے لیے نکلنا تھا۔ آج انیلا خالہ کے گھر دعوت تھی اور اس نے کئی دنوں کی مصروفیات کی وجہ سے اپنے اور اپنی ماں کے لیے کچھ نہیں خریدا تھا۔ دو تین گھنٹے مال میں شاپنگ کے لیے خوار ہوتے اسے اپنی حماقت کا احساس ہوا تھا۔ کاش وہ یہاں آنے کے بجائے پہلے ہی آن لائن خریداری کر لیتی تو اسے خود کو ٹھکانا نہیں پڑتا۔

"جمیلہ آنٹی۔۔۔ پانی پلادیں پلیز! "آتے ہی چیزوں کو صوفے پر پھٹکنے کے انداز میں رکھتے ہوئے وہ خود بھی ڈھ سی گئی پھر وہیں بیٹھے بیٹھے کچن میں کام کرتی ملازمہ کو آواز دی۔

"آگئی تم۔۔؟ "نماز کی طرح اپنے چہرے کے اطراف ڈوپٹہ لپیٹتے اس کی ماما لاونج میں اسی وقت داخل ہوئی تھیں۔

"جی ماما! آج بہت تھک گئی۔ "اس نے پانی کا کلاس اٹھاتے ہوئے انہماک سے کہا اور جلدی جلدی گھونٹ بھرنے لگی۔

"تھوڑی دیر آرام کرلو ' پھر تیار ہو جانا، شام میں خالہ کے گھر کے لیے نکلنا ہے، ابشام لینے آئے گا۔ "انھوں نے جھک کر اس پر دم کیا اور اسے اطلاع دے کر وہیں صوفے پر بیٹھ گئیں۔ جبکہ وہ بے دلی سے اٹھی۔ شاپنگ بیگز اٹھائے اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے سیڑھیاں چڑھنے لگی۔

ابھی وہ آئینے کے سامنے کھڑی اپنی تیاری دیکھ رہی تھی۔ اس نے کاسنی رنگ کا ہلکا کامدانی سوٹ پہن رکھا تھا۔ بالوں کو پیچھے کر کے کیچڑ لگائے تھے۔ نہ نظر آنے والے ہلکے میک اپ کے ساتھ وہ پرکشش لگ رہی تھی۔ کتنا وقت ہو گیا تھا اسے اس طرح تیار ہوئے۔ اس نے تو جیسے اپنے سارے شوق ترک کر دیے تھے اس نے میرر میں نظر آنے والی اپنے عکس کا موازنہ کیا اور ایک سرد آہ بھر کر رہ گئی۔ پھر بیڈ سے اپنا سیل فون اور کلچ اٹھا کر نیچے آگئی۔ اس کی ماما تیار کھڑی اس کی منتظر تھیں۔ اسی وقت وہ چابی گھومتا اندر داخل ہوا۔ دونوں کو سامنے دیکھ کر اس نے سلام کیا تھا۔

"کیسی ہیں خالہ جان!، کیسی ہو عنبر؟"

باری باری دونوں پر نگاہ ڈال کر اس نے پوچھا اور پھر تینوں گھر سے نکل گئے۔

ڈرائیونگ کرتے ہوئے بار بار اس کی نظر بھٹک کر اس عنبر پر چلی جا رہی تھی جو آج ہر بار سے مختلف نظر آ رہی تھی اسے حیرانی ہوئی تھی وہ کیوں اسے دیکھ رہا تھا اس نے خود کو ڈپٹا اور اپنی ساری توجہ ڈرائیونگ پر لگا دی۔

باہر سے دیکھنے سے ہی اندر کے ماحول کا پتا چلتا تھا۔ گاڑیاں پورچ میں کھڑی تھیں ' بنگلے میں معمول سے زیادہ رونق تھی ' وسیع لان بھی روشنی سے پوری طرح جگمگا رہا تھا۔ تینوں نفوس اب مین دروازے سے اندر آ چکے تھے۔ ابھی بہت سے مہمان نہیں پہنچے تھے۔

انھیں دیکھ کر انیلا خالہ دونوں سے گرم جوشی سے ملی تھیں جبکہ ابشام اپنے دوستوں کی طرف بڑھ گیا تھا۔ یونہی بات چیت کرتے ہوئے انیلا خالہ بہن اور بھانجی کو سب سے ملوا رہی تھی۔ دھیرے دھیرے مہمان آنے لگے پھر وہ مہمانوں میں مصروف ہو گئیں تو وہ دوسری طرف آ گئی۔ عرصہ ہوا تھا وہ اس طرح کی دعوت میں نہیں گئی تھی پھر یہاں ایسا کوئی نہیں تھا جس سے وہ بآسانی بات کر سکے۔ تبھی اسے زہرہ نظر آئی ' وہ دونوں یونیورسٹی میں ساتھ ہی پڑھتی تھیں۔ دونوں میں کوئی خاص دوستی نہ تھی لیکن

پھر بھی یونی فیلو ہونے کی وجہ سے اچھی جان پہچان تھی۔اس نے قریب جا کر اس سے ملنا چاہا لیکن پھر وہ اسے اپنا وہم سمجھ کر ٹال گئی اور وہیں کھڑی لوگوں کو بات کرتے دیکھتی رہی۔

جب زہرہ کی اس پر نظر پڑی تو وہ سیدھا اس تک آئی اور آتے ہی سلام کر کے اس کے گلے لگ گئی۔

"کیسی ہو یار عنبر۔۔! ،تم تو یونی کے بعد ملی ہی نہیں۔کہاں تھی؟ "اس سے الگ ہوتے ہی اس نے پوچھا۔

"ٹھیک ہوں ،بس یار مصروفیت ہی اتنی ہو گئی ،تم سناؤ کیا کر رہی ہو آج کل۔ "عنبر نے مسکرا کر جواب دیا اس کی روٹین کے متعلق پوچھنے لگی۔دونوں باتوں میں لگیں یونیورسٹی کی یادیں تازہ کر رہی تھیں۔عنبر اس کے کسی بات پر کھلکھلا کر ہنس رہی تھی تبھی ابشام جو اپنے دوست دریاب سے مل رہا تھا،چونکا۔

مڑ کر دوسری جانب دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا۔وہ کھلکھلاتے چہرے کے ساتھ بے حد خوبصورت لگ رہی تھی۔

"افففف آج مجھ پر کیا کیا انکشاف ہو گا۔ "وہ بڑبڑایا،پہلے وہ اس کے بدلے ہوئے روپ کو دیکھ کر حیران ہوا تھا پھر اس کی زندگی سے بھرپور ہنسی سن کر اسے لگا جیسے وہ اس کے

سحر میں مبتلا ہو گیا ہو۔اس نے تو کبھی اسے مسکراتے نہیں دیکھا تھا۔وہ سوچتا تھا کہ یہ لڑکی کبھی مسکراتی ہے بھی یا نہیں مگر آج وہ تو مختلف رنگ میں رنگی نظر آ رہی تھی اس کا چونکا تو بنتا تھا۔

"کیا ہوا یار؟ "اسے کسی سوچ میں گم دیکھ کر دریاب نے اس کے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے پوچھا،اور وہ جیسے ہوش میں آیا تھا۔

"کک۔۔۔کچھ۔نہیں۔ "وہ ہکلایا۔

ڈنر کے بعد سبھی اپنے اپنے گھر کے لیے نکل رہے تھے۔وہ دونوں بھی کچھ دیر ٹھہر کر وہاں سے نکل گئیں انھیں چھوڑنے ابشام ہی آیا تھا اور اس بار عنبر نے تہیہ کر لیا تھا کہ اب وہ اپنی ذاتی گاڑی خرید کر رہے گی تاکہ اسے کہیں جانے کے لیے مجبوراً اس کی مدد نہ لینی پڑے۔

وہ گھر واپس آیا تو ڈیڑھ بج رہے تھے۔کل آفس کا آف تھا اس لیے وہ اچھی نیند لینے کا سوچ کر لیٹ گیا،تھکاوٹ کے باعث لیٹتے ہی غنودگی اس پر طاری ہونے لگی۔ابھی کچھ وقت ہی گزرا تھا جب اس کی آنکھوں کے سامنے عنبر کا ہنستا چہرہ لہرایا تھا اور ہڑبڑا کے اٹھ کر بیٹھ گیا۔اس نے ہاتھ مار کر ٹیبل لیمپ آن کیا اور اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا۔

"آف لگتا ہے میرا دماغ خراب ہو گیا ہے۔وہ لڑکی جو منٹوں میں اپنے جلالی روپ میں آجاتی ہے، یہ اس کے بارے میں سوچے جا رہا ہے۔ "اس خیال کے ساتھ اس نے ایک گہری سانس لی اور پھر سے لائٹ آف کر کے لیٹ گیا۔وہ نہیں جانتا تھا کہ قدرت کسی نئی کہانی کا آغاز کرنے والی ہے۔جو اسے محبت کی اسیری میں مبتلا کر دی گی۔

"معاذ تم کہیں جا رہے ہو؟ "آسیہ بیگم ابھی چائے لے کر اس کے کمرے میں آئی تھیں۔اسے پیکنگ کرتے دیکھ کر بولیں۔

"امی۔۔۔مجھے آفس کے ایک ضروری کام سے اسلام آباد جانا ہے کچھ دنوں کے لیے ۔ "اس نے زیپ بند کر کے سفری بیگ کو اٹھا کر بیڈ کے ساتھ کھڑا کرتے ہوئے بتایا۔

"کب جانا ہے؟ "چائے کا کپ اس کی جانب بڑھاتے انھوں نے جاننا چاہا۔بیٹے کی آئے دن کی مصروفیات سے وہ باخبر تھی۔انھیں اس کی یہ روٹین بالکل بھی پسند نہیں تھی۔

"کل شام کی فلائیٹ ہے۔ "چائے کے گھونٹ لیتے اس نے بتایا تھا۔

"معاذ۔۔۔تم کب تک ایسے اکیلے زندگی گزارو گے۔شادی کیوں نہیں کر لیتے تم؟ " وہ افسردہ لہجے میں بولیں۔انھیں معاذ کو اس طرح دیکھ کر تکلیف ہوتی تھی۔معاذ نے

خود کو ایک مشین بنالیا تھا۔ وہ چاہتی تھیں ان کا بیٹا اپنی زندگی میں سیٹل ہو جائے، اپنا گھر آباد کر لے۔ اب تو عمیر بھی اپنے پاؤں پر کھڑا ہو گیا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں امی! بس آپ میرے لیے دعا کریں، مجھے سکون مل جائے۔ میں اسے بھلا نہیں پا رہا۔" اس کے چہرے پر چھائے کرب کو وہ بخوبی دیکھ سکتی تھیں۔ اس نے ماں کی طرف دیکھ کر جیسے دعا کی التجا کی۔

شادی ملتوی ہونے کے بعد گھر کے ماحول میں آئی کشیدگی کی وجہ سے معاذ بالکل خاموش تھا۔ پھر تایا جی نے حسن ویلا چھوڑنے کا فیصلہ کیا اور وہ چاہ کر بھی انھیں روک نہ سکا۔ روکتا بھی کیسے اسے پہلے ہی تایا جی سے بات کر کے سب کچھ بتا دینا چاہیے تھا مگر غلط فیصلہ کر کے ان کی معاشرے میں جو عزت تھی اس پر پانی پھیر دیا تھا جس کی وجہ سے ان کا سامنا کرنا ہی مشکل تھا۔ ان کے گھر سے چلنے جانے کے بعد عادل صاحب اس سے بات کرنے کو تیار نہ تھے اس صورت میں وہ عنایہ کے متعلق کچھ بھی کہتا تو وہ بری طرح جھڑک دیا جاتا۔ اسے خود بھی وہ وقت مناسب نہیں لگا تھا کیوں کہ اس نے کبھی یہ نہیں چاہا تھا کہ دونوں فیملی الگ ہو جائے۔ تایا جی سے تو اسے دلی لگاؤ تھا وہ نرم مزاج اور نرم گو تھے پھر تائی امی سے اسے اپنی ماں کی طرح محبت ملی تھی، اپنی ماں سے زیادہ وہ ان سے اٹیچ تھا۔ اس واقعے کی بعد وہ عافی کا سامنا کرنے سے کتراتا تھا۔ پھر تین ماہ بعد

اسے تایا جی کی خراب طبیعت کی خبر ملی۔وہ تشویش ناک حالت میں اسپتال میں ایڈمٹ تھے۔وہ ان سے آخری وقت میں ملاقات بھی نہیں ہو پائی تھی،اور وہ اس دنیا سے چل بسے تھے۔

انھی دونوں اس کی یونی فیلو جو عنایہ کی دوست بھی تھی اس سے یونیورسٹی روڈ پر ٹکرائی تھی جب وہ آفس میٹنگ کے بعد کلائنٹ کے ساتھ لنچ کر کے ریسٹورنٹ سے باہر نکل کر اپنی کار کی جانب بڑھ رہا تھا۔اسی کے ذریعے معلوم ہوا تھا کہ عنایہ نے شادی کر لی ہے۔جسے سن کا وہ اپنی جگہ ہکا بکا رہ گیا تھا۔اس نے ضد کر کے اس کا نمبر مانگا تھا،وہ دینے کو تیار نہ تھی لیکن اس کی منت کرنے پر وہ مجبوراً اسے دے کر وہاں سے چلی گئی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

گھر آ کر جب اس نے عنایہ کو کال ملائی جو دو تین بیل کے بعد اٹھالی گئی تھی۔

"ہیلو۔۔۔عنایہ!!" معاذ نے شکستہ لہجے میں پکارا تھا۔

"کون بات رہا ہے؟" اسپیکر پر جو آواز ابھری،وہ اس کی آواز کو اچھی طرح پہچانتا تھا۔

"میں معاذ بول رہا ہوں۔" دوسری جانب مکمل خاموشی تھی،اسے لگا شاید وہ اس سے ناراض ہے،تبھی عنایہ نے سخت غصے میں پوچھا۔

"کس لیے فون کیا ہے؟"

"عنایہ۔۔۔۔تم شادی کیسے کر سکتی ہو؟ "معاذ نے بے یقینی سے پوچھا، وہ اپنی محبت کو کسی اور کا ہوتا نہیں دیکھ سکتا تھا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا۔۔۔؟، شادی نہیں کرتی تو پھر کیا کرتی، تم جیسے جھوٹے شخص کے انتظار میں بیٹھی رہتی۔ "عنایہ نے غصے سے اسے جھڑک دیا۔پہلے ہی اسے فاطمہ پر غصہ تھا جس نے اس کی اجازت کے بغیر معاذ کو اس کا نمبر دے دیا تھا۔اس کے شوہر کو معلوم ہوتا تو وہ کیا سوچتا اس کے بارے میں۔۔ابھی دو ہفتے پہلے ہی تو اس کی شادی ہوئی تھی۔بے شک وہ اس کا ماموں زاد تھا لیکن تھا تو ایک مرد ہی نا، اس نے جھرجھری لی۔

"میں نے تم سے کوئی جھوٹ نہیں کہا عنایہ۔میں واقعی اپنے پرینٹس کو تمہارے گھر لے کر آنے والا تھا مگر کسی وجہ سے نہیں آسکا۔ "اس نے کمزور لہجے میں وضاحت دی ۔اپنے لیے جھوٹا لفظ سن کر معاذ کو تکلیف ہوئی۔

"جو بھی تھا۔۔آئندہ تم مجھے فون مت کرنا سنا تم نے!، میری شادی ہو چکی ہے اور میں اپنے ہسبینڈ کے ساتھ بہت خوش ہوں۔ "کرخت لہجے میں کہہ کر دوسری جانب سے فون بند کر دیا گیا۔اسے اپنی صفائی پیش کرنے کا موقع ہی نہیں دیا گیا۔معاذ کتنی ہی دیر

موبائل ہاتھ میں لیے بیٹھا رہا۔اپنے عزیز رشتوں سے وہ پہلے ہی دور ہو چکا تھا اور آج اس نے اپنی محبت بھی کھو دی تھی۔آنسوؤں کا ایک گولہ اس کے حلق میں اٹک گیا وہ کمزور نہیں تھا لیکن اس وقت خود کو شکست خوردہ محسوس کر رہا تھا۔گویا کسی نے اس کے پورے وجود پر کھولتا ہوا تیل جھڑک دیا ہو جس کی جلن آہستہ آہستہ اس نے روح کو بری طرح جھلسا رہی تھی اور وہ جلن بڑھتی چلی گئی۔

اپنے جذبات کو دوسروں پر عیاں نہ کرنے والا شخص دو روز سے بخار میں پھنکتا رہا ۔آسیہ بیگم اس کی یہ حالت دیکھ کر پریشان تھیں،وہ بالکل اکیلی پڑ گئی تھیں۔بچہ چاہے دو ماہ کا ہو یا بھرپور جسامت کا حامل ہو دونوں کے لیے ماں کی ممتا ایک سی رہتی تھی وہ اس کی ذرا سی تکلیف پر بلک اٹھتی ہے۔وہ بھی تب سے اب تک اپنے بیٹے کے لیے غمگیں تھیں۔البتہ معاذ نے عنایہ سے دربارہ رابطہ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی لیکن وہ اسے بھول نہیں پا رہا تھا۔

چائے ختم کر کے اس نے دماغ میں آئے پرانے عکس کو جھٹک کر کرب سے آنکھیں موندے لیں اور ایک گہری سانس بھر کر کپ کو ٹیبل پر دھرتے وہ تیز قدموں سے چلتا کمرے سے باہر نکل گیا۔اسے آج ہی اپنے لیے کچھ خریداری کرنی تھی۔وہاں آفس میں میٹنگ اٹینڈ کرتے اور کلائنٹ سے ملاقات کے دوران اسے وقت نہیں ملتا۔

کچھ دیر یونہی کھڑی رہنے کے بعد بوجھل قدموں کے ساتھ آسیہ بیگم بھی اپنے کمرے کی طرف چل دیں۔

وہاں سے نکل کر وہ سیدھا مال آیا تھا۔کچھ نئے شرٹ کی خریداری کرنی تھی جسے وہ میٹنگ اٹینڈ کرنے کے لیے پہننے والا تھا،لگے ہاتھوں اس نے دوسری ضرورت کی چیزیں بھی خرید لی تھیں ابھی وہ ٹرالی گھسیٹتے ہوئے کاؤنٹر تک آیا تھا۔سامان اٹھا کر کاؤنٹر پر رکھ کر بل بنانے کا کہہ کر وہ وہیں کھڑا انتظار کرنے لگا۔

"یہ لیں سر۔ "کاؤنٹر پہ کھڑا نوجوان ایک سلپ اس کی جانب بڑھاتے ہوئے بولا۔

اس نے سلپ اس کے ہاتھ سے لے کر وائلٹ سے پیسے نکالے اور گن کر اس کے حوالے کر دیے۔ابھی وہ وائلٹ اپنی جیب میں اڑس رہا تھا تبھی اس کی نظر کسی پر پڑی اور مسکراہٹ نے اس کے لبوں کو احاطہ کیا۔اب اس کے قدم ان کے جانب بڑھنے لگے جو کھڑی کسی کا انتظار کر رہی تھیں۔

"تائی امی۔۔۔آپ یہاں؟ "سلام کرتے ہی اس نے پوچھا۔صفیہ بیگم عنبر کی راہ تک رہی تھیں جو کچھ یاد آنے پر اندر گئی تھی۔اسے دیکھ کر ان کے چہرے پر بھی ویسے ہی تاثرات ابھرے جو کچھ دیر پہلے معاذ کے چہرے پر نظر آرہے تھے۔

"عنبر کے ساتھ آئی تھی،اسے اپنی دوست کے لیے کچھ خریدنا تھا۔ "

"تم کیسے ہو معاذ؟ "اس کے جھکتے ہی انھوں نے اس کے سر پر شفقت بھرا ہاتھ پھیرتے ہوئے بتایا اور اس سے خیریت پوچھنے لگیں۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں تائی امی۔ "اس نے مسکرا کر جواب دیا۔البتہ عافی بھی آئی ہے وہ صرف سوچ کر رہ گیا۔وہ دونوں بات کرنے میں مصروف تھے تبھی عنبر ہاتھ میں پرس لیے وہاں نمودار ہوئی۔

"چلیں ماما! "اسے یہاں دیکھ کر اس کے چہرے پر ناگواری جھلکی اس نے نظر پھیر کر اپنی ماں کو مخاطب کیا۔

"کیسی ہو عافی؟ "اپنے نظر انداز کیے جانے پر بھی اس نے پوچھنا ضروری سمجھا۔اسے اتنے دنوں بعد دیکھ کر وہ حیران ہوا تھا وہ پوری طرح بدل گئی تھی۔

"ٹھیک ہوں۔ "سپاٹ لہجے میں جواب دیتی ایک بار پھر وہ صفیہ بیگم سے مخاطب ہوئی تھی۔

"ماما! چلیں۔ہمیں دیر ہو رہی ہے۔ "

"تائی امی۔۔میں چھوڑ دوں؟ "اسے جانے کے لیے تیار کھڑی دیکھ کر اس نے فوراً اپنی مدد پیش کی۔

جسے عنبر کے بولنے سے پہلے ہی صفیہ بیگم نے قبول کرلی تھی۔وہ مسکرا کر باہر پارکنگ سے گاڑی نکالنے چلا گیا۔عنبر نے ماں کو دیکھا اور منہ بنا کر رہ گئی۔اس شخص کو دیکھ کر آج بھی نا جانے کیوں اس کے چہرے کی ہوائیاں اڑ جاتی تھیں۔اس کا دل زور سے دھڑکنے لگتا تھا،زبان بات کرتے لڑکھڑاتی تھی،یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ اس سے محبت نہیں کرتا،بلکہ اس کا دل کسی اور کے لیے دھڑکتا ہے۔اس نے اپنے چچا کی فیملی سے ملنا چھوڑ دیا تھا۔اپنے باپ کے مرنے کے بعد بھی چچا کی سفاکی اور خود غرضی نے اسے ان سے بد ظن کر دیا تھا۔مگر کوشش کے باوجود وہ معاذ کو بھول نہیں پائی تھی۔ معاذ انھیں چھوڑ کر باہر سے ہی چلا گیا تھا۔صفیہ بیگم کے اصرار پر اپنی فلائیٹ کا بتا کر اس نے معذرت کرلی تھی۔

"آپ نے اس سے مدد کیوں لی ماما۔"اس نے لاونج میں داخل ہوتے ہی نروٹھے انداز میں ماں کی جانب دیکھ کر پوچھا۔

"کیوں نہ لیتی؟،تم اس سے سبھی تعلق توڑ چکی ہو لیکن میرا اب بھی اس سے رشتہ قائم ہے،جو میرے مرنے کے بعد ہی ختم ہو گا۔ "وہ اپنی ضدی بیٹی کو سمجھا سمجھا کر تھک چکی تھیں مگر اس کی عقل پر تو جیسے پتھر پڑے تھے۔اتنے سالوں سے بھی اس کی سوئی ایک ہی جگہ پر اٹکی تھی۔انھوں نے ناگواری سے اس کے چہرے پر نگاہ ڈالتے ہوئے

غصے سے اپنی بات کہی اور پانی پینے کچن میں چلی گئیں۔ عنبر نے تڑپ کو ماں کو دیکھا اور ان کے پیچھے چلی آئی۔

جنید کے ایک دوست کے والد کا اپنا کار شوروم تھا، جس میں کار کی جدید ماڈلز موجود تھے۔ عنبر نے جب اسے فون کر کے بتایا کہ وہ بھی اپنی ذاتی گاڑی لینا چاہتی ہے تو پہلے تو اسے یقین ہی نہیں آیا پھر اس نے اپنے دوست سے بات کر کے عنبر کو بتا دیا کہ کسی بھی دن وہ ماما کے ساتھ جا کر کار دیکھ آئے اور جو پسند آئے وہ خرید لے، وہ رقم کی ادائیگی کر دے گا۔

دو دن مصروفیات میں ہی گزر گئے آج اسے آفس نہیں جانا تھا۔ وہ ماما کو پہلے ہی بتا چکی تھی کہ انھیں آج ہی نکلنا ہے اس لیے انھوں نے ناشتے کے بعد میڈ سے لنچ تیار کروالیا تھا۔ پھر تیار ہو کر لاونج میں آگئی تھیں جہاں عنبر بیٹھی موبائل پر گیم کھیلنے میں مصروف تھی۔

"چلیں! "انھیں لاونج میں دیکھ کر اس نے جٹ سے موبائل آف کیا اور اسے پرس میں ڈال کر لٹکاتی صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"رک جاؤ۔۔پہلے ابشام کو فون کر لوں۔ "

صفیہ بیگم موبائل پر نمبر ملاتی انہماک سے بولیں جبکہ ابشام کا نام سن کر عنبر کا دماغ بھک سے اڑا تھا۔

"اسے کیوں فون کرنا ہے؟ "وہ حیران ہوئی۔

"میں نے اسے ساتھ چلنے کو کہا تھا، رات فون پر میری اس سے بات ہوئی تھی۔ "وہ بتانے لگیں۔

"ماما۔۔۔! "اس کا دل کیا وہ اپنا سر پیٹ لے۔ وہ بڑبڑا کر رہ گئی۔

جب صفیہ بیگم نے کال کی تو ابشام راستے میں ہی تھا، کچھ ہی دیر میں پہنچ گیا اور اب تینوں متعلقہ پتے پر پہنچ کر ساری فارملٹی پوری کر رہے تھے۔

وہ دونوں ابشام کے ساتھ گھر پہنچی تھیں البتہ کار وہاں کے عملے نے ان کے پیچھے ہی گھر پر پہنچا دی تھی۔

لنچ کے بعد ابشام گھر کے لیے نکل گیا لیکن اس کے جانے سے پہلے ہی صفیہ بیگم نے اسے عنبر کو ڈرائیونگ سیکھانے کی ذمہ داری سونپی تھی جسے اس نے خوش دلی سے مسکراتے ہوئے قبول کی تھی۔ عنبر اس کی مسکراہٹ دیکھ کر اندر ہی اندر کھول کر رہ گئی۔ ماں کو وہ انکار نہیں کر سکتی تھی پھر اس کے پاس زیادہ وقت بھی نہیں ہوتا تھا کہ وہ

باقاعدہ ڈرائیونگ اسکول جوائن کر سکے۔اس لیے مجبوراً اس کی مدد لینا ہی مناسب لگا۔

دوسرے روز وہ آفس سے سیدھا یہاں آیا تھا عنبر سینٹر جانے کے لیے تیار کھڑی تھی ۔خالہ سے کچھ دیر بات کرنے کے بعد وہ کھڑا ہو گیا تھا دونوں ایک ساتھ باہر نکلے تھے ۔کار کی فرنٹ سیٹ کھول کر اسے بیٹھنے کا کہہ کر اس نے دوسری جانب جا کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی اور اب اس سے کار کی چابی مانگ رہا تھا۔

"چابی؟"

عنبر نے بیٹھتے ہی چابی اس کے حوالے کر دی۔وہ چابی تھام کر اسے نشست سنبھالنے، آئینہ درست کرنے اور سیٹ بیلٹ باندھنے کی ہدایت کرنے لگا جسے خاموشی سے عنبر نے فولو کیا۔اتنا تو وہ پہلے بھی جانتی تھی جب کبھی وہ عمیر یا معاذ کے ساتھ کہیں جاتی تھی اسی طرح سیٹ بیلٹ باندھنے کی ہدایت پر عمل کرتی تھی۔اسی پل ماضی کی ایک یاد اس پر وا ہوئی تھی۔

"یار عافی سیٹ بیلٹ پہنو۔"عمیر کی غصے سے بھرپور آواز کار میں ابھری۔وہ بیٹھتے ہی اسے چلنے کا کہہ رہی تھی۔

"کیا ہے عمیر۔۔ تم میں بھی معاذ کی روح گھس گئی ہے کیا، پیار سے نہیں کہہ سکتے ؟ "
اس نے مصنوعی غصے سے کہا اور منہ پھولائے سیٹ بیلٹ باندھنے لگی۔

"ہاہاہا۔۔۔ یہ تم ہر بات میں معاذ کو کہاں سے لے آتی ہو یار، قسم سے اگر بھائی یہاں ہوتے نا تو مجال ہے جو تمہاری آواز نکلتی۔ "عمیر کا قہقہہ بلند ہوا تھا۔ وہ اسے چھیڑ رہا تھا، عافی نے گھور کر اسے دیکھا۔

"تم چل رہے ہو یا میں گاڑی سے اتر جاؤں۔ "اسے ہنسی سے لوٹ پوٹ ہوتے دیکھ کر اسے تنبیہ کرتی وہ منہ پھیر گئی تو عمیر نے اپنی ہنسی پر قابو پاتے لب بھینچ کر کار اسٹارٹ کر دی۔ کچھ دنوں پہلے ہی ان کا سمسٹر شروع ہوا تھا، اس وقت وہ دونوں بک بینک سے کچھ کتابیں خریدنے جا رہے تھے۔ انھوں نے واپسی واپسی پر آئس کریم کھانے کا پروگرام تھا۔ وہ ماضی کی اس خوبصورت یاد میں گم تھی تبھی اس کا نام پکارا گیا۔

"عنبر؟ "ابشام اسے چابی گھمانا، کلچ، پیڈل اور بریک کی نرمی کس طرح چیک کرتے ہیں بتا رہا تھا لیکن وہ اپنی سوچوں میں غلطاں نظر آئی۔ جب اس کے کسی بات کا جواب نہیں ملا تو مجبوراً اسے قریب سے بلند آواز میں پکارنا پڑا۔

"ہوں۔۔بولو! "وہ جیسے ہوش میں آئی اور خود پر قابو پاتے اس کی طرف دیکھ کر بمشکل بولی۔

"تم ٹھیک ہو؟ "ابشام نے جاننا چاہا۔وہ اثبات میں جواب دے کر پوری طرح اس کی جانب متوجہ ہوئی تو وہ اسے ہر چیز دوبارہ نے بتانے لگا۔

اسے سینٹر چھوڑ کر گاڑی کی چابی خالہ کو دے گیا تھا۔پھر آفس پر واپسی پر وہ اپنی تھکن بھول بھال کر اسے روز ڈرائیونگ سکھانے چلا آتا تھا۔ان دنوں وہ تقریباً گاڑی چلانا سیکھ گئی تھی لیکن اب تک ابشام نے اسے پاس نہیں کیا تھا۔کیوں کہ ابھی وہ تیز شاہراہوں پر ڈرائیو کرنے کے قابل نہیں تھی۔کار کو کنٹرول کرنا اور ٹریفک کے درمیان سے گاڑی نکالنا ایک مشکل مرحلہ تھا۔

آج وہ سینٹر جانے کے لیے تیار ہو کر نیچے آئی تو صفیہ بیگم لاونج میں بیٹھی نیوز دیکھنے میں مصروف تھیں۔وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتے ان تک پہنچی۔

"ماما۔۔۔ابشام نہیں آیا،مجھے دیر ہو رہی ہے۔ "آج اسے بچوں کو ٹیسٹ دینا تھا۔ ابشام کو وہاں نہ پا کر وہ ہاتھ میں بندھی گھڑی پر نگاہ ڈالتی پوچھنے لگی۔

"نہیں۔۔۔وہ کہہ رہا تھا کہ آج اس کا آنا مشکل ہے،ابھی کچھ دیر پہلے ہی اس کی کال آئی تھی۔ "اس کی ماما ٹی وی کا والیم سیلو کر کے ریموٹ سائیڈ پر رکھتی اسے بتانے لگیں

۔

"افففف۔۔تو اب کیا کروں میں؟ "اسے رونا آیا۔پہلی ہی وہ کافی لیٹ ہو گئی تھی۔

"ٹیکسی کر لو عنبر۔ "انھوں نے مشورہ دیا۔

"ماما۔۔۔آپ جانتی ہے۔ ٹیکسی کے انتظار میں کھڑی رہی تو بہت دیر ہو جائے گی۔میں خود ہی چلی جاتی ہوں۔ "پریشانی سے کہتی وہ فیصلے پر پہنچی اور پرس میں سے چابی ڈھونڈنے لگی جو فوراً ہی مل گئی تھی۔

عنبر میری جان۔۔تم خود ڈرائیو کیسے کرو گی؟ "

صفیہ بیگم پریشانی ہوئیں۔

"کچھ نہیں ہوتا ماما کر لوں گی اچھا۔۔اب میں چلتی ہوں۔ "جھک کر ان کے گلے لگتی خدا حافظ کہہ کر وہ باہر کی طرف چل دی۔

وہ بیٹی کی بات سن کر حیران ہوئی اور آواز لگاتی وہ اس کے پیچھے آئیں تب تک وہ دروازے سے نکل چکی تھی۔انھوں نے ابشام کا نمبر ملایا اور پوری صورتحال سے آگاہ کر کے اس کی خیریت کی دعا مانگنے لگی۔نا جانے آج ان کا دل کیوں گھبرا رہا تھا۔

آج پہلی بار وہ اکیلی ڈرائیو کر رہی تھی ورنہ اتنے دنوں سے وہ گھر کے عقب میں بنے ایک گراؤنڈ میں ابشام کی نگرانی میں ہی ڈرائیو کرتی رہی تھی۔

ابھی وہ گھر کے قریبی سڑک کو عبور کرتی مین روڈ کی طرف موڑ کاٹنے ہی والی تھی کہ سامنے دو لڑکے کھڑے نظر آئے جو آپس میں گفتگو کر رہے تھے اچانک سے کار کے قریب آکر اسے روکنے کا اشارہ کیا۔ تھوڑے فاصلے پر ہی طویل سڑک شروع ہو جاتی جہاں سے کچھ دیر کی دوری پر اس کا سینٹر تھا۔اس نے انھیں خاطر میں لائے بغیر گاڑی آگے بڑھانا چاہی اسی دوران ایک تیز رفتار گاڑی اس کی کار کو ٹکر مارتی آگے نکل گئی۔ اس صورت میں عنبر کے لیے گاڑی کا توازن سنبھالنا مشکل ہوا اور اس کی کار سلپ کرتی درخت سے جا ٹکرا گئی۔اس حادثے میں اس کا سر اسٹیئرنگ سے ٹکرایا تھا۔اس کے منہ سے سی کی آواز ابھری تھی پھر وہ غنودگی میں چلی گئی۔وہ دونوں لڑکے جو کھڑے اس کاروائی کو دیکھ رہے تھے ڈر کر وہاں سے فرار ہو گئے۔

ابشام کی کلائنٹ کے ساتھ ایک ضروری میٹنگ تھی لیکن کچھ دیر پہلے ہی انور صاحب نے اپنی والدہ کی اچانک طبیعت خرابی کا بتایا تو مجبوراً اسے میٹنگ پوسٹ پون کرنا پڑی ۔وہ شہر کے جانے مانے بزنس مین تھے اور ایک اچھے کلائنٹ بھی۔اس پروجیکٹ پر کام کر کے اس کی کمپنی کو کافی فائدہ ہونے والا تھا۔میٹنگ ڈیلے ہوتے ہی اس نے باقی

اسٹاف جو میٹنگ کا حصہ تھے انھیں جانے کو کہا اور خود بھی نکلنے کا ارادہ کیے اپنا سامان سمیٹنے لگا تبھی اس کے موبائل کی اسکرین پر ''خالہ جانی کالنگ ''نمودار ہوا۔اس نے جھک کر موبائل اٹھایا اور کان سے لگاتے ہی سلام کیا۔صوفیہ خالہ کی بات سن کر اسے عنبر کی حماقت پر بے حد غصہ آیا تھا وہ اکیلی کار لے کر سینٹر کے لیے نکل گئی تھی۔

پریشانی ہوتی خالہ کو تسلی دے کر کال ختم ہوتے ہی سامنے رکھی کار کی چابی اٹھائی اور تیز قدموں سے چلتے ہوئے آفس سے باہر نکل آیا اب اس کا رخ پارکنگ آئیریا کی جانب تھا جہاں اس کی کار کھڑی تھی۔

''اس لڑکی کا کچھ نہیں ہو سکتا۔ذرا جو عقل مندوں والے کام کر لے۔ ''یک دم اس کے سامنے عنبر کا سراپا لہرایا تھا اور اس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔اس نے بڑبڑاتے ہوئے کار کا گیٹ کھولا اور اندر بیٹھتے ہی گاڑی اس سڑک پر ڈال دی جو صفیہ خالہ کی طرف جاتی تھی۔وہ ساتھ عنبر کو کال بھی ملا رہا تھا۔پہلی دو بیل پر کوئی جواب نہیں ملا تھا لیکن تیسری کوشش پر کال لگ گئی۔

''ہیلو عنبر کہاں ہو؟ ''جب وہ بولا تو اس کی آواز سے فکر مندی جھلک رہی تھی مگر دوسری جانب سے اسپیکر پر مردانہ آواز ابھری تو وہ حیران ہوا پھر بولا۔

''جی آپ کون؟ ''

"کک۔۔۔۔کون سے اسپتال؟ "سوالات کرتے ہوئے اسے اپنی آواز کسی گہری کھائی سے آتی محسوس ہوئی۔اس کا چہرہ یک دم سفید پڑ گیا تھا اور لہجے سے افسردگی نمایاں تھی۔فون پر موجود شخص نے بتایا تھا کہ وہ اپنی بائیک لے کر اس راستے سے گزر رہا تھا تبھی ان کی اس کی کار پر نظر پڑی جو حادثے کا شکار ہوئی تھی۔ابھی اسے ایمبولینس میں اسپتال لے جایا گیا تھا۔اس کے سر پر چوٹ لگی تھی لیکن زخم کس نوعیت کیا تھی وہ نہیں جانتا ہے۔ابھی کچھ دنوں پہلے ہی تو اس پر انکشاف ہوا تھا کہ وہ اس سے محبت کرنے لگا ہے۔اس کے قریب ہونے سے اس کی دھڑکنیں خوشگوار لے میں دھڑک اٹھتی ہیں، تبھی تو اس کی بے رخی کے باوجود دن بھر کی تھکاوٹ کو نظر انداز کر کے اسے ڈرائیونگ سیکھانے چلا آتا تھا۔سچ کہتے ہیں محبت نامی پرندہ کب کسی کو اپنی اسیری میں مبتلا کر دے پتا ہی نہیں چلتا۔غیر ہوتی حالت پر قابو پاتے اس نے خود کو پر سکون کرنے کی کوشش کی اور گاڑی یوٹرن لے کر اسپتال کی طرف موڑ لی۔عجلت میں ڈرائیو کرتا وہ مختلف سوچوں میں گھرا اس کی ٹھیک ہونے کی دعا کر رہا تھا اور تقریباً دوڑتے ہوئے ریسپشن تک آیا تھا۔اس کے متعلق پوچھتے ہوئے اس کی آواز میں کپکپاہٹ واضح تھی۔ریسپشن پر موجود لڑکی نے اس کے متورم چہرے پر نگاہ ڈالتے ہوئے اسے دیکھے گئی اور چیک کر کے اسے روم کی جانب اشارہ کیا جہاں عنبر موجود تھی۔

وہ مردہ قدموں سے اس کی جانب بڑھا تھا۔راستے میں صفیہ خالہ نے اسے کال کی تھی لیکن وہ اس حالت میں نہیں تھا کہ جواب دے پاتا۔

وہ دروازے دھکیل کر اندر داخل ہوا۔عنبر سامنے بیڈ پر نم بے ہوش حالت میں پڑی تھی۔ان کے سر پر پٹی تھی، بازو پر بھی پٹی بندھی تھی کچھ اسکچز آئے تھے۔اس نے عنبر کو دیکھ کر سکھ کا سانس لیا ورنہ آکسیڈنٹ کا سن کر اس کی سانس حلق میں اٹکی ہوئی تھی پھر قدم قدم چلتا اس کے قریب آیا۔انجیکشن لگاتی نرس اسے دیکھ کر ہلکا سا مسکرائی پھر اٹھ کر سرنج کو ڈسٹبین میں ڈال کر استفسار کیا۔ ”آپ ان کے ساتھ ہیں ؟“

”جی۔۔یہ “وہ پوچھنا چاہتا تھا کوئی خطرے کی بات تو نہیں اس سے پہلے ہی نرس بول پڑی۔

”پریشانی کی کوئی بات نہیں سر۔آپ کی مسسز بالکل ٹھیک ہیں۔دوائی کے زیر اثر سو رہی ہیں۔ابھی درد میں آرام کے لیے انجیکشن دیا ہے۔اٹھ جائیں تو آپ انھیں گھر لے جا سکتے ہیں۔ “

مسسز لفظ سن کر وہ چونکا تھا۔وہ نرس کی غلط فہمی دور کرنا چاہتا تھا مگر تب تک وہ کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

یہ ایک سرکاری اسپتال کا کمرہ تھا وہاں عنبر کے علاوہ دوسری مریضہ بھی موجود تھیں ۔وہ پورے کمرے پر طاہرانہ نگاہ ڈال کر ڈاکٹر سے ملنے چلا گیا۔

دوسری جانب صفیہ بیگم صوفے پر بیٹھی تھی قریب ہی عمیر براجمان تھا وہ کچھ دیر پہلے ان سے ملنے آیا تھا۔

"کیا ہوا تائی امی۔۔۔آپ پریشان دکھائی دے رہی ہیں؟ "صفیہ بیگم دیوار گیر گھڑیال پر نگاہ ٹکائے بیٹھی تھیں کیوں اب تک عنبر نہیں آئی تھی اور اس کا فون مسلسل بند جا رہا تھا اور اب ابشام بھی فون نہیں اٹھا رہا تھا۔ان کے چہرے پر آئی شکن دیکھ کر عمیر نے پوچھا۔

"عنبر کا نمبر آف جا رہا ہے عمیر وہ کبھی اس طرح نہیں کرتی ہے۔"وہ فکر مند تھیں۔

"رکیں۔۔۔تائی امی!،میں دیکھتا ہوں۔ "وہ انھیں کہتا صوفے سے اٹھ گیا اور عنبر کا نمبر ملاتے یہاں سے وہاں ٹہلنے لگا،جواب بھی بند آ رہا تھا۔

"خالہ جانی۔۔۔!"

اسی وقت ابشام لاونج میں داخل ہوا تھا۔اس کے ساتھ عنبر بھی تھی۔پیر میں چوٹ لگنے کے باعث وہ ابشام کی مدد کے سہارے چل رہی تھی۔

"عنبر۔۔ "اسے اس حالت میں دیکھ کر صفیہ بیگم صوفے سے اٹھ کر اس کی جانب لپکی تھیں۔البتہ عمیر کا نمبر ملاتا ہاتھ رک گیا تھا وہ بھی پریشانی سے اس کی جانب بڑھا۔

"عافی۔۔۔۔یہ سب کیسے ہوا یار؟ "آگے بڑھ کر اسے سہارا دیتا پوچھنے لگا۔

اس نے کوئی جواب نہیں دیا وہ اس وقت صدمے میں تھی۔م

"تم ٹھیک ہو میری جان۔؟"صفیہ بیگم نے اس کو خود سے لگائے چومتے ہوئے ڈبڈبائی آنکھوں سے بیٹی کی جانب دیکھ کر پوچھا تو اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

اب وہ چاروں آمنے سامنے بیٹھے چائے سے لطف اٹھا رہے تھے۔صفیہ بیگم نے ابشام کا عمیر سے تعارف کروایا تھا اور کچھ ہی دیر میں دونوں اس طرح بات کر رہے تھے جیسے سالوں سے ایک دوسرے کو جانتے ہوں۔ بچپن میں ایک دو بار وہ عمیر سے ملا تھا لیکن وہ پرائی تھی جب وہ لوگ بہت چھوٹے تھے۔

"تمہیں میں نے یہاں آتے جاتے نہیں دیکھا کبھی۔۔۔کہاں ہوتے ہو؟ "ابشام چائے کے گھونٹ بھرتے بولا۔

"میں دراصل ملائیشیا میں تھا ابھی کچھ وقت پہلے ہی لوٹا ہوں۔تم سناؤ، یہاں مستقل سیٹل ہونے کا ارادہ ہے یا؟ "عمیر ہاتھ میں ہاتھ پھنسائے بیٹھا تھا اس سے پوچھنے لگا۔

"اب تو پاکستان میں ہی ہونا۔ "خالی کپ رکھتے ہوئے اس نے آگاہ کیا۔

صفیہ بیگم بچوں کو گھلتا ملتا دیکھ کر خوش ہو رہی تھی۔ نا جانے کب وہ موقع آتا جب سب ساتھ ہوتے۔ البتہ۔ عنبر کی خاموش ہنوز برقرار تھی وہ انھیں بات کرتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ اس کا سر دکھ رہا تھا لیکن وہ مورتا وہاں بیٹھی ان کی باتیں سنتی رہی۔

"ویسے خالہ۔۔۔۔ مجھے عنبر سے اس بے وقوفی کی امید نہیں تھی۔ محترمہ بناء لائسنس کے گھر لے کر نکل پڑیں۔ "وہ مسلسل اسے نظروں کے حصار میں رکھے ہوئے تھا اس کی خاموشی اسے الجھن میں ڈال رہی تھی اس لیے اس نے عنبر کو گفتگو میں گھسیٹنا چاہا۔ مگر وہ بجائے اسے گھورنے یا سنانے کے نظریں جھکا گئی۔

"ماما۔۔۔ میں اپنے کمرے میں جانا چاہتی ہوں۔ "یہ اس کا پورے دورانیہ میں کہا جانے والا پہلا فقرہ تھا۔

"ہمم۔ "صفیہ بیگم نے اٹھ کر اسے سہارا دیا۔

وہ دونوں بھی اٹھ گئے اور وہاں سے اپنے گھر کے لیے نکل گئے۔

"ابشام۔ "جیسے ہی داخلی دروازے سے اندر آیا انیلا بیگم نے اسے پکارا تھا۔

"جی ماما! "وہ ان کے قریب آیا تھا۔

"کہاں رہ گئے تھے؟،ابشام۔۔میں کب سے تمہارا انتظار کر رہی تھی۔ "وہ پوچھ رہی تھیں۔

"خالہ کی طرف تھا۔عنبر کی کار کا چھوٹا سا آکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔اسپتال میں تھا ابھی اسے گھر چھوڑ کر آیا ہوں۔ "اس نے جیسے ہی دیر سے آنے کی وجہ بتائی۔وہ پریشان نظر آئیں۔

"کیسی ہے اب وہ؟ "

"پریشان نہ ہوں ماما۔۔۔وہ اب بالکل ٹھیک ہے، چلیں اب سو جائیں۔بہت رات ہو گئی ہے۔ "وہ انھیں سونے کی ہدایت کرتا اپنے کمرے میں چلا آیا۔پورے دن کی تھکاوٹ اس پر غالب تھی۔

"عنبر اب تم سینٹر جانا چھوڑ دو۔ "کچھ دنوں کی چھٹی کے بعد اس کے زخم ٹھیک ہو گئے تھے۔وہ تیار ہو کر نیچے آئی تو اسے دیکھ کر صفیہ بیگم نے اس سے کہا۔

"کیوں ماما؟ "اچانک سے کیے گئے انکار پر وہ حیران ہوئی انھوں نے کبھی اسے سینٹر جانے سے منع نہیں کیا تھا۔وہ ہمیشہ اسے ہر معاملے میں سپورٹ کرتی آئی تھیں۔ان کے چہرے پر چھائی سنجیدگی دیکھ کر اس نے پوچھا۔

"کیا ضرورت ہے عنبر۔۔۔ تم کب تک کبھی آفس تو کبھی سینٹر کے چکر لگاتی پھیروں گی۔ وقت ہی نہیں ہوتا تمہارے پاس۔۔۔ میں نے اب سوچ لیا ہے تمہاری شادی میں اب تاخیر نہیں کروں گی۔ جنید سے بھی بات کرتی ہوں میں، کہتی ہوں وہ پاکستان آجائے اور آکر یہ بزنس خود ہی سنبھالے۔ "وہ اسے بتا نہیں رہی تھیں بلکہ اپنا فیصلہ سنا رہی تھیں۔

"لیکن ماما۔۔۔ "اس نے کچھ کہنا چاہا پر انھوں نے ہاتھ اٹھا کر روک دیا۔

"لیکن ویکن کچھ نہیں عنبر۔۔۔ تم بھائی بہن نے بہت کر لی اپنی من مانی۔ اب میں کسی کی ایک نہیں سنوں گی۔ میری زندگی کا کیا بھروسہ کل مجھے کچھ ہو گیا تو تمہارا خیال کون رکھے گا؟ "صفیہ بیگم بولتے ہوئے افسردہ نظر آئیں۔ وہ ہر پل اس کی فکر میں خود کو تھکاتی تھیں۔

"ماما۔۔۔ پلیز آپ ایسی باتیں تو نہ کریں۔۔ آپ کو کچھ نہیں ہو گا۔ "وہ رو دینے کو تھی ان کے قریب آکر ان کا ہاتھ تھامے بولی تو انھوں نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

"ٹھیک ہے ماما۔ آپ جیسا کہیں گی ویسا ہی ہو گا، وعدہ۔ لیکن آئندہ آپ اس طرح نہیں کہیں گی۔ میں آپ کے بغیر کیسے رہوں گی۔ "عنبر نے ہار مانتے ہوئے کہا۔ وی

انھیں یقین دلا رہی تھی کہ اب وہ ان کی ہر بات مانیں گی اور آگے سے سب ان کی خواہش کے مطابق ہی ہو گا۔

"ہمممم۔ تم سارا دن گھر باہر ہی رہتی ہو۔ میں گھر میں اکیلی ہوتی ہوں۔۔۔ماں کے لیے وقت ہی نہیں تمہارے پاس۔ "اس بار انھوں نے شکوہ کیا۔ وہ سارا دن اکیلی کاموں میں لگی رہتی تھیں تاکہ تنہائی کا احساس نہ رہے۔ لیکن پتا نہیں آج کل کیوں وہ خود کو تنہا محسوس کر رہی تھیں۔

"اچھا نا۔۔ماما، بھائی آجائیں پھر میں سینٹر بھی چھوڑ دوں گی تب تک پلیز مان جائیں ۔۔"اس نے روٹھی ماں کی جانب دیکھ کر التجا کی۔

"ٹھیک ہے۔۔۔ لیکن اپنا وعدہ مت بھولا عنبر۔ "انھوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اسے یاد دلایا اور پھر مسکرا دیں۔

"کیا بات ہے خالہ جانی۔۔آپ دونوں کا پیار دیکھ کر مجھے لگتا ہے کوئی مجھ سے محبت نہیں کرتا۔ "اسی وقت ابشام سلام کرتے لاونج میں داخل ہوا تھا اور دونوں کو جذبات میں گھرے دیکھ کر ڈرامائی انداز میں آنسو صاف کرتے ہوئے بولا تو صفیہ بیگم ہنس پڑیں۔

"انیلا سے کہتی ہوں میں۔ "انھوں نے اسے ڈرایا۔

''ارے خالہ جانی۔۔۔اب کیا میں مذاق بھی نہیں کر سکتا۔ ''اس نے اپنا دفاع کرنا چاہا اس ڈر سے کہ کہیں وہ سچ میں بتا نہ دیں۔

اس کے آتے ہی عنبر نے خود کو خول میں بند کر لیا۔

پھر کچھ دیر میں وہ دونوں گھر سے نکل گئے۔صفیہ بیگم اسے کار تک چھوڑنے آئی تھی۔ دونوں ایک ساتھ بہت اچھے لگتے تھے انھیں ساتھ دیکھ کر ان کے دل نے اس بات کی گواہی دی تھی۔

گھر آنے کے بعد عنبر نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ جلد سینٹر چھوڑ دے گی۔وہاں کے اصول کے مطابق اسٹاف کو اپنی جاب چھوڑنے سے تین ماہ قبل ہی آگاہ کرنا تھا تاکہ اس کی جگہ دوسرے کو اپوائنٹ کیا جا سکے۔اس لیے عنبر نے دوسرے دن ہی اطلاعیہ درخواست لکھ کر ان کے حوالے کر دی تھی کہ وہ اب یہ جاب آگے جاری نہیں رکھ سکے گی۔وہ ماں کو ہر حال میں خوش دیکھنا چاہتی تھی اور یہ سچ ہی تھا اس کی مصروفیت کی وجہ سے وہ انھیں یکسر نظر انداز کیے ہوئے تھی۔

باہر اندھیرا پوری طرح چھا گیا تھا۔کار پورچ میں کھڑی کر کے وہ تھکے تھکے قدموں سے چلتے ہوئے اندرونی جانب بڑھ رہا تھا۔پچھلے دو ماہ سے اسے فرصت کا ایک لمحہ میسر

نہیں تھا۔ابھی بھی اس کا روم روم درد کر رہا تھا آنکھیں کئی دنوں کی بے خوابی کے باعث سرخ تھیں۔اس نے جیسے ہی داخلی دروازے سے اندر قدم رکھا انیلا بیگم نے اسے پکارا۔

''ابشام۔۔۔ !''

وہ جو اپنے کمرے میں جا کر فریش ہو کے کچھ دیر آرام کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ان کی آواز سن کر وہیں رک گیا۔انیلا بیگم اس کے بالکل قریب کھڑی تھیں۔اس کے حلیے پر نظر پڑتے ہی پریشان ہو گئیں۔

''کیسی ہیں ماما؟''انھیں خود کو دیکھتا پایا تو اس نے پوچھا۔

''میں ٹھیک ہوں۔۔۔لیکن تمہاری حالت مجھے ٹھیک نہیں لگ رہی میری جان ۔۔کیوں خود کو اس طرح ہلکان کر لیا ہے تم نے؟ ''وہ ہر لمحہ ان کی نظروں کے سامنے رہا تھا۔انھوں نے کبھی اسے اس طرح مصروف نہیں دیکھا تھا جتنا وہ آج کل رہنے لگا تھا۔وہ چاہتی تھیں کہ وہ اپنا بچپنا چھوڑ کر زندگی اور اس کے معاملات میں سنجیدہ ہو جائے اور اب جب پہلے والی نادانی کا اس میں کوئی شائبہ نہ تھی۔تو انھیں اس کی بے جا مصروفیت پریشان کر رہی تھی۔

"کیا ہو گیا ماما۔آپ ہی تو چاہتی تھیں میں بابا کا بزنس سنبھالوں،اپنی شخصیت بیلڈ کروں ۔آپ کو تو فخر ہونا چاہیے مجھ پر۔۔آپ کا بیٹا دو بڑے پروجیکٹ پر کام کر رہا ہے۔ "

ان نے آگے بڑھ کر ان کا ہاتھ کر تھاما اور مسکرا کر کہا تو انیلا بیگم نے دل سے اپنے بیٹے کو کامیابی کی دعائیں دیں۔

اپنے کمرے میں آکر بستر پر لیٹتے ہی نیند اس پر غالب آگئی۔ابشام کی مصروف بڑھ گئی تھی۔پہلے وہ آفس سے واپسی پر صفیہ خالہ کی طرف چلا جاتا تھا اور ڈرائیونگ کے بہانے عنبر سے ملاقات ہو جایا کرتی تھی لیکن اب اس کے کام اسے کہیں بھی جانے کی اجازت نہیں دے رہے تھے۔اس نے خالہ کے گھر چکر لگانا ہی چھوڑ دیا تھا۔فون پر بات ہوتی تو صفیہ خالہ اس سے شکایت کرتیں کہ وہ انھیں بھول گیا ہے اور وہ انھیں جلد آنے یقین دلاتا۔خالہ کی محبت اسے کھینچ لے جاتی تھی اور اب کسی اور کی محبت نے اس کے دل پر اپنی حکمرانی مسلط کر رکھی تھی مگر ان دنوں اس پر کام کا بہت پریشر تھا ۔وہاں نہ جانا اس کی مجبوری تھی کیوں کہ وہ بدر صاحب کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتا تھا۔

آج چھٹی تھی اس لیے وہ دیر تک سوتا رہا۔انیلا بیگم نے بھی اسے نہیں جگایا تھا۔اس کی آنکھ بارہ ساڑھے بارہ بجے کے قریب کھلی تو وہ فریش ہو کر نیچے چلا آیا۔انیلا بیگم میڈ کے ساتھ مل کر کچن میں کھڑی دوپہر کا کھانا تیار کروا رہی تھیں۔

انھیں کافی کا کہہ کر وہ لاونج میں آ کر ٹی وی پر اپنا پسندیدہ پروگرام سرچ کرنے لگا ۔اچھی نیند کے بعد وہ فریش اور ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر میں انیلا بیگم ٹرے لیے لاونج میں داخل ہوئیں۔انھیں دیکھ کر ابشام نے ٹی وی آف کر دیا۔

"جلدی سے کھالو اسے، میں تمہارے لیے بریانی بنا رہی ہوں، لنچ ساتھ کریں گے۔ " کیک کی پیلٹ اٹھا کر اس کی قریب رکھتے ہوئے بولیں۔

"ماما۔۔۔یہ؟ "کیک دیکھ کر اس نے پوچھا۔صفیہ بیگم اس کی فرمائش پر کیک بیک کرتی تھیں۔

"تم تو وہاں جا نہیں رہے تو صفیہ نے ہی تمہارے لیے بیک کر کے بھجوا دیا۔ "وہ بتانے لگیں۔

"خالہ خود آئی تھیں؟ "ایک پیس منہ میں رکھتے ہوئے پوچھا گیا۔

"نہیں۔۔۔عنبر دے گئی ہے "انھوں نے بتایا۔

"عنبر وہ چچ۔۔چلی گئی۔ "عنبر کے آمد کا سن کر وہ چونکا تھا،اس کی دھڑکنیں یک دم تیز ہوئی تھیں۔خود پر قابو پاتے ہوئے اس نے پوچھا۔مگر اس کے چہرے پر آئے تاثرات دیکھ کر انیلا بیگم کے لب پر مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

انھوں نے صفیہ سے عنبر کو ابشام کے لیے مانگا تھا، انھیں عنبر اپنے بیٹے کی طرح ہی عزیز تھی لیکن وہ پہلے ان کی مرضی جان لینا چاہتی تھیں۔ کیوں کہ ماضی میں خود غرضی میں لیے فیصلہ کا نتیجہ انھیں اب تک نہیں بھولا تھا۔۔ دونوں کے درمیان ہوئی گفتگو سے وہ دونوں ابھی بے خبر تھے۔

دوپہر کا کھانے کے بعد لاونج میں موجود تینوں نفوس چائے سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

"تم نے شادی کے بارے میں کیا سوچا ہے ابشام۔"

چائے کی گھونٹ بھرتے ہوئے انھوں نے اپنے سامنے صوفے پر براجمان ابشام سے شادی کی بات چھیڑی۔

اچانک سے پوچھے گئے سوال پر اسے کھانسی کا دورا پڑا تھا۔

"آرام سے برخوردار۔۔" بدر صاحب اس کی پیٹھ تھپتھپاتے ہوئے بولے تھے اور بیگم کی جانب دیکھ کر معنی خیز انداز میں مسکرائے۔ وہ اب کپ خالی کر کے سنبھل کر بیٹھ گیا تھا اگر وہ انھیں بتاتا کہ وہ عنبر کو چاہنے لگا ہے تو اس کے والدین کیا ردعمل دیں گے اس سے زیادہ وہ عنبر کے انکار سے خوف زدہ تھا کیوں کہ وہ اس سے ٹھیک طرح سے بات کرنے کو تیار نہ تھی کچا کہ شادی۔ اس نے گہری سانس لی۔

"تم نے بتایا نہیں۔" اسے محو سوچ دیکھ کر انھوں نے دوبارہ استفسار کیا۔

"ماما۔۔ابھی مجھے وقت چاہیے۔میں آپ کو جلد بتاؤں گا۔ "دھیمے لہجے میں کہتا وہاں سے اٹھ گیا۔اس بات سے بے خبر تھا کہ وقت بہت جلد محبت کو آزمائش بنا کر کھڑا کرنے والا تھا۔گھڑی کی سوئیاں ٹک ٹک کرتی ان کے دامن میں انتظار لکھ رہی تھیں۔

جنید نے جب صفیہ بیگم کو اپنے پاکستان واپس آنے کی خبر دی ان کی خوشی دیدنی تھی اس کے آنے کی خوشی میں انھوں نے خوب ساری خریداری کی تھی۔عنبر سے کہہ کر اس کا کمرہ سیٹ کروایا تھا کئی چیزیں تو انھوں نے اپنے ہاتھوں سے بدلی تھی عنبر ان کی بے تابی دیکھ کر دل ہی دل میں خوش ہو رہی تھی۔آج جنید کی فلائیٹ لینڈ کرنی تھی مگر عنبر کو آج سینٹر کی آخری فارملٹی پوری کرنے جانا تھا اور اس نے اپنی ماما کو بتایا تھا کہ پہلے وہ آئیر پورٹ جنید کو ویلکم کرنے جائے گی پھر وہاں سے سینٹر کے لیے نکل جائے گی لیکن انھوں نے فون کر کے معاذ اور عمیر کو بلا لیا تھا اور اسے ہدایت کی تھی کہ وہ سینٹر سے جلدی واپس آجائے۔مجبوراً اس نے حامی بھر دی۔

تقریباً ایک گھنٹہ بعد وہ واپس آئی تو لاونج سے خوش گپیوں کی آواز آرہی تھی۔سامنے صوفے پر جنید کے ساتھ عمیر، معاذ اور بدر آنکل بیٹھے تھے البتہ ابشام چھوٹے صوفے

پر بیٹھا ہنس ہنس کر ان سے کچھ کہہ رہا تھا۔ عنبر نے طاہرانہ نگاہ ڈال کر اپنی ماما اور باقی عورتوں کو ڈھونڈنا چاہا۔ جو وہاں سے غائب تھیں۔

پھر چلتی ہوئی لاونج کے وسط میں پہنچ کر مسکراہٹ کے ساتھ سلام کیا۔ جنید اپنی جگہ سے اٹھ کر اس سے ملا تھا۔ باقی نفوس اسے دیکھ کر مسکرائے تھے۔ عنبر کچھ دیر وہاں بیٹھی جنید کے سوالات کا جواب دیتی رہی پھر خاموشی سے وہاں سے اٹھ کر کچن کی طرف بڑھ گئی جہاں خواتین کھانے کی تیاری میں لگی پڑی تھیں۔ کچن میں رکھی کرسی پر سارہ بیٹھی تابش کو ڈپٹ رہی تھی جو مسلسل اس کے ہاتھ سے فون چھین رہا تھا۔

"ارے عنبر تم آگئی؟" اسے دیکھ کر سارہ نے مسکراتے ہوئے کہا تو صفیہ بیگم اور انیلا بیگم نے پلٹ کر دیکھا۔

"جی بھابھی۔۔۔لاونج میں سب سے مل کر آرہی ہوں۔" کندھے سے پرس اتارتے ہوئے بتایا۔ اسی وقت پانچ سالہ تابش جو کب سے سارہ سے موبائل لینے کی ضد کر رہا تھا سب کچھ بھول بھال کر آکر اس کے گلے لگ گیا تو وہ اس کی حرکت پر مسکرائے بغیر نہیں رہ سکی۔

ڈنر کافی خوشگوار ماحول میں کیا گیا تھا۔ کچھ دیر سب کے ساتھ بیٹھنے کے بعد عمیر اور معاذ حسن ویلا نکل گئے پھر خالہ کی فیملی بھی اپنے گھر چلی گئی۔

جنید کو وطن واپس آنے کی خوشی میں کئی دوستوں کی طرف سے دعوت ملی تھی جس میں سب گھر والے مدعو تھے لیکن صرف ایک دفعہ ہی صفیہ بیگم اور عنبر ان کے ساتھ گئی تھیں پھر انھوں نے صاف انکار کر دیا کہ بھئی یہ سب تمہارے آنے کی خوشی میں ہے ہمیں اس سے دور رکھا جائے۔

وہ دعوت سے فارغ ہوا تو آفس جانا شروع کر دیا۔ عنبر اس کے ساتھ ہی ہوتی تھی تاکہ اب تک کے سارے ریکارڈ اور کام سے اسے آگاہ کر سکے۔ آج چھٹی تھی عنبر سارہ اور تابش کے ساتھ لاونج میں بیٹھی تھی۔ اس کی تابش کے ساتھ خوب بننے لگی تھی اور سارہ نے بھی آتے ہی سارے کام کی ذمہ داری سنبھال لی تھی۔ اب عنبر کو سینٹر نہیں جانا ہوتا تھا تو وہ زیادہ تر فارغ ہی رہتی تھی۔ کبھی اس کا ہاتھ بٹا دیتی تو کبھی تابش کے ساتھ کھیلنے لگ جاتی۔

"اچھا عنبر میں جنید کو دیکھ کر آتی ہوں، تم تابش کو دیکھنا چوٹ نہ لگا بیٹھے۔" وہ کافی دیر سے یہاں بیٹھی تھیں، تابش ہاتھ کا جہاز بنائے پورے لاونج کے چکر کاٹ رہا ہے وہ اسے دیکھ کر دھیان رکھنے کا کہتی وہاں سے نکل گئی۔ عنبر نے موبائل ٹیبل پر رکھا اور تابش کے پیچھے چلی آئی جو اسے اپنی طرف آتا دیکھ اور تیزی سے بھاگنے لگا تھا۔ جنید اپنے

کمرے میں بیٹھا آفس کے سبھی فائل کا بغور مطالعہ کر رہا تھا۔ تبھی سارہ اندر آئی تھی اس نے سر اٹھا کر دیکھا پھر دوبارہ سے لیپ ٹاپ پر انگلیاں پھیرنے لگا۔

"جنید۔۔ماما آپ کو بلا رہی ہیں۔ "اس نے آتے ہی بتایا۔ کمرے میں آنے سے پہلے وہ صفیہ بیگم کو دیکھنے ان کے کمرے میں گئی تھی تاکہ ان سے چائے کا پوچھ سکے۔انھوں نے اسے اور جنید کو اپنے کمرے میں کسی ضروری کام سے بلایا تھا۔

"کیوں۔۔۔خیریت؟ "دوپہر میں ہی سب نے ساتھ لنچ کیا تھا۔ پھر وہ آرام کرنے چلی گئی تھیں۔اسے حیرانی ہوئی۔

"پتا نہیں۔۔۔کوئی ضروری بات کرنی ہے شاید۔ "سارہ نے لاعلمی کا اظہار کیا وہ خود بھی نہیں جانتی تھی وہ کس حوالے سے بات کرنا چاہتی تھی۔

"اچھا تم چلو۔۔میں آتا ہوں۔ "اس نے لیپ ٹاپ بند کرتے ہوئے جواب دیا اور بستر سے اتر گیا۔

دونوں آگے پیچھے کمرے میں داخل ہوئے تھے۔

صفیہ بیگم اس وقت نماز پڑھ کر فارغ ہوئی تھیں۔ان کے چہرے کے اطراف لپٹا دوپٹہ اس بات کا ثبوت تھا۔

"ماما۔۔۔آپ نے بلایا تھا۔ "وہ دروازے پر دستک دے کر سلام کر کے اندر داخل ہوا اور ان کے نزدیک بیڈ پر آ کر بیٹھ گیا، سارہ اب تک کھڑی تھی۔

"ہاں بیٹا۔۔۔تم بھی بیٹھ جاؤں سارہ۔ "انھوں نے ہاتھ کے اشارے سے سارہ کو بیٹھنے کا کہا اور اپنی اور انیلا بیگم کے درمیان ہوئی بات اسے بتا دینے لگیں۔

"ابشام اچھا لڑکا ہے ماما۔۔۔لیکن اس میں عنبر کی رضامندی بھی ضروری ہے۔آپ نے بات کی اس سے؟ "وہ خاموش ہوئیں تو کچھ دیر ان کے درمیان خاموشی حائل رہی پھر جنید نے پوچھا۔وہ دو چار بار ابشام سے مل چکا تھا اس کی ساری ایکٹویٹی سے باخبر تھا لیکن وہ عنبر کی طرف سے الجھن کا شکار تھا۔بابا کے انتقال کے بعد وہ کافی بدل گئی تھی۔ہر بات پر ضد کرنا، اور غیر معمولی سنجیدگی۔۔اس کی شخصیت میں آ ٹھہری تھی۔

"میں آج بات کروں گی اس سے۔ "انھوں نے گہری سانس بھری پھر کہا تو جنید کچھ مطمئن ہوا۔

رات میں جب عنبر دودھ کا گلاس رکھنے ان کے کمرے میں آئی تو اپنی دوائی لے کر انھوں نے عنبر کو وہیں روک لیا۔

"کیا ہوا ماما؟ "اس نے پوچھا وہ کسی سوچ میں گم تھیں۔

"عنبر میں نے جنید سے بات کی ہے۔وہ بھی چاہتا ہے اب تم اپنے گھر کی ہو جاؤں۔ "

وہ ابشام کا بتانے سے پہلے تمہید باندھنے لگیں۔

"ہوں۔۔ "عنبر بس اتنا ہی بول پائی۔آج نہیں تو کل اسے شادی کرنی ہی تھی۔

"خالہ تمہیں اپنی بہو بنانا چاہتی ہیں "انھوں نے گویا بم پھوڑا وہ بے یقینی سے انھیں دیکھے گئی۔

"اور مجھے اس رشتے میں کوئی برائی نظر نہیں آئی لیکن میں نے سوچا تم سے ایک بار پوچھ لوں۔ "انھوں نے مزید بتایا۔

"ماما۔"وہ صدمے کی کیفیت میں تھی۔

"تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا عنبر کہ تم میری ہر بات مانو گی۔ "انھوں نے جیسے یاد دلایا۔انھیں یقین تھا کہ عنبر کے لیے ابشام سے اچھا رشتہ اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ ماضی میں اس کے بڑوں نے جو فیصلہ کیا تھا اس پر وہ بخوشی راضی تھی کیوں اسے معاذ سے محبت تھی۔لیکن اب محبت کہیں نہیں تھی اور وہ آگے اپنے لیے مزید تکلیفوں کو خریدنے کے حق میں نہیں تھی۔"جی۔۔۔لیکن میں ابشام سے شادی نہیں کر سکتی ۔ "دوٹوک انداز میں وہ اپنا فیصلہ سناتی کمرے سے نکل گئی اس کے پیچھے صفیہ بیگم اپنا سر تھام کر بیٹھ گئیں۔

انھوں نے انیلا کو عنبر کے انکار کا بتایا تو وہ پریشان ہو گئیں۔ان کے بے حد اصرار پر تو ابشام شادی کے لیے راضی ہوا تھا۔جب ابشام نے انھیں عنبر کے لیے اپنی پسندیدگی بتائی تو ان کی ساری ٹینشن غائب ہو گئی تھی کیوں کہ وہ خود بھی یہی چاہتی تھیں۔

اب وہ ابشام کو کیا بتاتیں کہ عنبر نے شادی سے منع کر دیا ہے۔

اگر وہ صرف ان کی پسند ہوتی تو شاید وہ اتنا دکھی نہ ہوتیں لیکن ابشام کی عنبر کو لے کر جو جذبات تھے وہ اس سے باخبر تھیں اس لیے وہ بیٹے کے لیے پریشان ہو رہی تھیں ۔ابشام ان دنوں آفس کے کسی کام سے شہر سے باہر گیا ہوا تھا جب وہ لوٹا تو انھوں نے مناسب موقع دیکھ کر اسے عنبر کے انکار کے متعلق بتا دیا۔انکار سن کر اسے زیادہ حیرانی نہیں ہوئی کیوں کہ وہ جانتا تھا کہ عنبر شروع سے ہی اسے کوئی خاص پسند نہیں کرتی تھی۔امریکہ سے واپسی پر پہلی ملاقات کی وجہ سے ہوئی غلط فہمی کا شکار وہ اس سے ایسی بدگمان ہوئی کہ کبھی اس کے ساتھ اچھے کزن والا برتاؤ ہی نہیں کیا تھا۔اس نے یہی اخذ کیا تھا۔ کبھی کبھار تو عنبر کا رویہ اس کے ساتھ کافی عجیب ہوتا تھا لیکن صفیہ خالہ کی وجہ سے وہ اسے برداشت کر لیتا تھا پھر آہستہ آہستہ عنبر کی موجودگی میں وہ عجیب سی خوشی محسوس کرنے لگا تو اس پر انکشاف ہوا کہ وہ اسے چاہنے لگا ہے اس اعتراف کے بعد اس کے خیالات عنبر کو لے کر یکسر بدل گئے تھے۔

مگر اب جب اس نے شادی سے انکار کر دیا تھا تو وہ اس انکار کی وجہ جاننا چاہتا تھا۔ کیوں کہ محبت پر کسی کا اختیار نہیں ہوتا وہ جب چاہے جسے چاہے اپنے حصار میں لے لیتی ہے جس سے کنارہ کشی کسی صورت ممکن نہیں۔ لیکن اتنا تو وہ حق رکھتا تھا کہ یہ جان سکے کہ اسے مسترد کرنے کے پیچھے کیا وجہ تھی۔ اس دن ماں کے سامنے اپنی تکلیف کو چھپانے کی سعی کرتا وہ اپنے کمرے میں آ گیا تھا۔ لیکن بستر پر لیٹتے رہنے کے باوجود رات بھر اسے نیند نہیں آئی تھی وہ چت لیٹا ساری رات چھت کو تکتا رہا اور جب وہ صبح نیچے آیا تو اس کی سرخ ہوتی آنکھوں کو دیکھ کر انیلا بیگم کا دل کٹ سا گیا۔ ناشتے کی ٹیبل پر ہوتے ہوئے بھی وہ موجود نہیں تھا۔ اسے گم صم دیکھ کر انھوں نے پوچھا۔

"طبعیت ٹھیک نا تمہاری، ڈاکٹر کو دکھا آو۔" وہ جانتی تھیں محبت اتنی آسانی سے کسی کا پیچھا نہیں چھوڑتی بلکہ یک طرفہ محبت تو انسان کو ہر دم مارتی چلی جاتی ہے۔ انھیں اپنی بے بسی پر رونا آ رہا تھا۔ جسے ہمیشہ ہنستے مسکراتے دیکھا تھا آج اس کا خوش باش چہرہ پوری طرح مرجھایا ہوا تھا۔ اس کے چہرے سے عیاں ہوتی تکلیف انھیں اپنے دل پر اٹھتی محسوس ہو رہی تھی۔ جس بیٹے کی ہر خواہش، ہر لاڈ اٹھاتی آئی تھیں آج وہ اتنی مجبور تھیں کہ اسے اس کی محبت لا کر نہیں دے سکتی تھیں۔

"آپ پلیز پریشان نہ ہوں میں بالکل ٹھیک ہوں۔۔۔۔بس سر میں تھوڑا درد ہے، ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ نگاہ نیچی کیے پلیٹ پر فورک چلا رہا تھا،ماں کے سوال پر چونک کر خاموشی سے ان کا چہرہ دیکھنے لگا پھر چائے کپ میں انڈیلتے ہوئے بتایا اور جلدی جلدی گھونٹ بھر کے وہ وہاں سے اٹھ گیا تاکہ عنبر سے بات کر سکے۔انیلا بیگم کی نظروں نے اس کے اوجھل ہو جانے تک اس کا پیچھا کیا تھا۔

جب وہ وہاں پہنچا تو معمول کے مطابق دروازہ میڈ نے ہی کھولا تھا۔

لاونج خالی تھا،،اس نے آس پاس طاہرانہ نظر ڈالی۔ تبھی سیڑھیوں سے سارہ کو اترتے دیکھا تو اسی طرف چلا آیا۔وہ تابش کو کمرے میں سلا کر پانی لینے نیچے آرہی تھی ابشام کو دیکھ کر ہلکا سا مسکرائی۔اسے بھی اپنی نند عنبر اور ابشام کی جوڑی بے حد پسند تھی۔کیا ہوتا کہ عنبر اس کے حق میں فیصلہ کرتی اس نے سوچا اور ایک گہری سانس لی۔

"کیسی ہیں آپ،اور خالہ جانی کہاں ہیں؟ "سلام کر کے خالی لاونج کی طرف نگاہ ڈالتے اس نے جاننا چاہا۔

"اللہ کا شکر ہے۔۔ماما جان تو گھر پر نہیں ہیں۔ "سارہ نے بتایا۔

"اچھا۔۔۔!اور عنبر؟ "وہ سوچتے ہوئے بولا۔

"عنبر بھی انھیں کے ساتھ گئی ہے۔۔کچھ دیر پہلے ہی فون آیا تھا چچی جان سیڑھیوں سے گر گئی ہیں۔بس اللہ کرے زیادہ چوٹ نہ آئی ہو۔ "

سارہ بتائے ہوئے افسردہ ہو گئی تھی۔

"اوہ۔۔۔اللہ رحم کرے، عنبر کی چچی جان مطلب معاذ کی ماما؟ "اس نے تصدیق کرنا چاہا تو سارہ سر ہلا کر رہ گئی۔اسپتال کا نام پوچھ کر وہاں سے نکل گیا تھا۔

.....

"پریشان مت ہو، چچی جان ٹھیک ہو جائیں گی۔ "عمیر کو بے چینی سے ادھر اُدھر ٹہلتے دیکھ کر وہ اس کے پاس چلی آئی اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے تسلی دینے لگی۔

"ہوں۔۔۔ "عمیر لب بھینچے صرف اتنا ہی بول پایا۔وہ اُس وقت گھر میں ہی تھا، جب آسیہ بیگم سیڑھیوں سے اوپر جا رہی تھیں نا جانے کیسے ان کا پیر پھسلا اور وہ نیچے گر گئی شکر تھا کہ انھیں زیادہ چوٹ نہیں آئی تھی لیکن وہ ذیابطیس کی مریضہ تھی اس لیے معمولی چوٹ بھی اس کے لیے خطرناک ثابت ہو سکتی تھی۔لنچ کے بعد وہ لان میں ٹہل رہا تھا۔ان کے چیخنے کی آواز سن کر جب وہ اندر آیا تو وہ درد سے کہرا رہی تھیں۔عادل صاحب بھی غالباً اسی چیخ کو سن کر نیچے آئے تھے جو اپنے کمرے میں کچھ دیر پہلے ہی

آرام کرنے گئے تھے۔بناء دیر کیے وہ انھیں اسپتال لے آیا تھا اور رستے میں ہی اس نے اسپتال فون کر دیا تھا تبھی آتے ہی انھیں فوراً ایڈمٹ کر لیا گیا۔کچھ دیر میں ہی معاذ بھی وہاں پہنچ گیا تھا جو اپنے کسی دوست سے ملنے گیا ہوا تھا۔عمیر نے تائی جان کو اطلاع تو دونوں ماں بیٹی پہنچ گئیں۔

.....

آسیہ بیگم کو کچھ دنوں میں ڈسچارج کر دیا گیا تھا۔سیڑھیوں سے گرنے کے باعث ان کی پاوں میں فیکچر ہو گیا تھذا اور اس پر پلاسٹر چڑھا تھا۔ڈاکٹر نے اس حالت میں انھیں چلنے پھیرنے سے بالکل منع کیا تھا اور انھیں مکمل بیڈ ریسٹ کا مشورہ دیا تھا۔پاؤں پر بھار دینے سے اس کی تکلیف اور بڑھ جاتی۔عنبر اور صفیہ بیگم بھی ان کے حسن ویلا میں ہی تھیں اُسیہ بیگم نے دونوں ماں بیٹی کو رکنے کا کہا تو عنبر چاہتے ہوئے بھی انکار نہیں کر پائی۔آج انھیں حسن ویلا میں ٹھہرے دو دن ہو گئے تھے۔اتنے دنوں بعد وہ حسن ویلا کے کچن میں کھڑی سب کے لیے چائے بنا رہی تھی۔ابھی کچھ دیر پہلے ہی وہ چچی جان کو سوپ پلا کر دوائی دے آئی تھی۔جنید تابش اور سارہ کو لے چچی جان سے ملنے آیا تھا۔وہ سب ساتھ ہی بیٹھے تھے۔وہ عادل صاحب کا سامنا کرتے ہوئے اسے عجیب محسوس ہو رہا تھا۔وہ خود بھی اسے مخاطب کرتے ہوئے کترا رہے تھے۔اب بھی وہ نبیل

صاحب کے بعد ان ماں بیٹی کے حسن و یلانہ آنے پر ناراض تھے یا کسی پیشمانی میں گھرے تھے وہ سمجھ نہیں پائی تھی۔

اس نے چائے کپوں میں انڈیلا اور لاونج میں چلی آئی۔ جہاں جنید چچا جی سے بات کر رہا تھا۔

وہ کم کم ہی بول رہے تھے، اس نے ان کے چہرے پر سرسری نگاہ ڈال کر چائے ان کے قریب رکھ دیا اور باقیوں کو سرو کرنے لگی۔

.....

"عافی!" آج اسے یہاں آئے ایک ہفتہ ہو گیا تھا۔ پورا دن گھر کے کاموں میں مصروف رہنے کے بعد وہ اس وقت کچن میں کھڑی جلدی جلدی کام نمٹا رہی تھی تبھی عمیر نے اسے پکارا۔

"بولو۔" سینک میں رکھا آخری پلیٹ دھو کر اس نے خشک کیا اور اس کی جانب متوجہ ہوئی۔

"تمہاری پسندیدہ فلور۔۔ تمہاری لیے لایا تھا۔ سوچا تم جاگ رہی ہوں گی۔" وہ اس کی روٹین سے اچھی طرح واقف تھا۔ جب تک سارے کام نپٹا کر کسی کتاب کا مطالعہ

نہیں کرتی تھی اسے نیند نہیں آتی تھی۔آئس کریم کا پیکٹ اس کی جانب بڑھاتے ہوئے بولا تو وہ اس کے ہاتھ سے لے کر آگے بڑھ گئی۔

"کھاو گی نہیں۔ "اسے فریج کھولتا دیکھ کر وہ فوراً بولا،دراصل وہ خود بھی چاہتا تھا کہ وہ اس کے ساتھ بیٹھ کر آئس کریم کھائے اور اس سے بات کرے۔اس کی بے رخی اسے اتنے سالوں سے پریشان کر رہی تھی۔وہ دونوں بچپن کے دوست تھے،ہم راز تھے دکھ سکھ کے ساتھی....کاش اس نے کچھ ہمت کر کے اسے تنہا نہیں چھوڑا ہوتا تو وہ اس سے بدگمان تو نہیں ہوتی۔اب جب وہ اس سے بات کرنے لگی تھی تو وہ دوبارہ سے اپنی عزیز دوست کو کھونا نہیں چاہتا تھا۔

"صبح کھالوں گی۔"

"چلو ٹھیک ہے۔ "عنبر نے کہا تو انصار کرنے کے بجائے اس نے سر ہلا کر اس کی تائید کی اور خدا حافظ کہتا اپنے کمرے کی جانب چل دیا۔

عنبر جب سے یہاں آئی تھی سب کی محبت اور رویے کے باعث شرمندہ ہو رہی تھی کہ یہاں رہتے ہوئے اسے احساس ہو رہا تھا کہ اس نے اتنی پیار کرنے والوں کو غلط سمجھا۔عمیر سے بات چیت کرنا تو دور وہ کتنی بار اپنی غلطی نہ ہوتے ہوئے بھی اس کے گھر اس سے معافی مانگنے آتا رہا لیکن وہ اپنی ضد پر ڈٹی رہی تھی۔اگر معاذ نے صرف اس

وجہ سے شادی سے انکار کر دیا تھا کہ وہ کسی اور سے محبت کرتا تھا تو اس میں معاذ نے کیا بُرا کیا تھا۔ اپنی محبت کو پانا ہر ایک کا حق ہوتا ہے۔ محبت کوئی شئے تو نہیں جو خرید لی جائے اور نہ ہی ہم کسی کو مجبور کر کے اسے حاصل کر سکتے ہیں۔ اگر وہ عادل صاحب کے کہنے پر اس سے میں شادی کر بھی لیتا تو کیا وہ محبت دے پاتا جس کی وہ تمنائی تھی۔ کیا وہ یہ سوچ کر خوش رہ پاتی کہ اس کے شوہر کے دل میں کوئی اور لڑکی بستی ہے اور پھر ان سب میں چچی جان نے کیا کیا تھا جو وہ اتنے عرصے تک ان سے دور رہ کر انھیں اذیت دے رہی تھی جنھوں نے اسے اپنی بیٹی مانا تھا۔ اس نے تو ان کی خیریت تک دریافت کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ یہ سچ تھا کہ اسے عادل چچا پر غصہ تھا کہ وہ بھائی سے محبت کا دعویٰ کرنے کے باوجود بھی ان سے ملنے کو تیار نہیں تھے کیوں کہ انھیں اپنی انا عزیز تھی۔ جب انھوں نے اس کے بابا کے گزر جانے کے بعد حسن ویلا میں رہنے کا فیصلہ صادر کیا تو اسے شدید غصہ آیا تھا کہ وہ اب بھی بس حکم چلانا چاہتے ہیں اور اس نے ہر لحاظ و مروت کو بھول کر ان کے فیصلے کی تردید کی تھی۔ لیکن وہ جب سے یہاں آئی تھی اس کی عادل صاحب سے زیادہ بات نہیں ہوئی تھی وہ اسے دیکھ کر اپنی نگاہ جھکا لیتے تھے۔ لیکن اب وہ کہیں نہ کہیں پچھتا رہی تھی۔

آسیہ بیگم کی طبیعت میں کچھ تبدیلی آئی تو وہ پہلے کی طرح بیڈ پر پڑی رہنے کے بجائے اپنے کمرے سے نکل آئیں۔انھیں حرکت کرتا دیکھ کر سبھی گھر والے بے حد خوش تھے۔آج وہ لاونج میں بیٹھی سب کے ساتھ باتوں میں مشغول تھیں۔کئی دنوں بعد ابشام انیلا بیگم کو لے کر حسن ویلا آیا تھا۔انیلا بیگم کب سے اسے چلنے کا کہہ رہی تھیں لیکن وہ کام میں اس قدر مصروف تھا کہ وقت نہیں نکال پا رہا تھا۔اس وقت لاونج میں بیٹھے ہر نفوس کے چہرے پر خوشی رقصاں تھیں۔

عنبر وہیں بیٹھی سب کے ساتھ گفتگو میں حصہ ڈال رہی تھی پھر اٹھ کر ٹیرس پر آگئی تاکہ کھلے آسمان تلے کچھ وقت گزار سکے۔اس نے یہاں آکر خود کو گھر کے کاموں میں مصروف کر لیا تھا، سینٹر تو وہ پہلے ہی چھوڑ چکی تھی اور آفس کی ساری ذمہ داری جنید سنبھال رہا تھا۔وہ دونوں ہاتھ باندھے ہاتھ دیوار پر ٹکائے لان میں لگے پودوں کو دیکھ رہی تھی جس میں مالی بابا پانی ڈال رہے تھے۔اس نے اپنی زندگی کے بائیس سال یہاں گزارے تھے یہاں موجود ہر چیز سے اسے دلی لگاؤ تھا لیکن اس کی زندگی کے یہ تین چار سال بڑی آزمائش اور کھٹن تھے جس کی وجہ سے اس کی زندگی میں نمایاں تبدیلی آئی تھی۔ایک وقت تھا جب وہ ہر پسند آنے والی چیزوں کو فوراً خرید لینے کی خواہش رکھتی

تھی لیکن اب چیزوں کی ان کی نظر کوئی اہمیت نہیں رہی تھی۔نہ چند ھیاد ینے والی خوبصوری اس کا دل موہ لیتی تھی۔وہ کم گو اور پر یکٹیکل لائف گزار رہی تھی۔

"مجھے اگنور کر رہی ہو؟ "وہ اپنی سوچوں میں اس طرح گم تھی کہ اسے اس کے آنے کی خبر تک نہیں ہوئی ابشام کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی تو اسے پلٹنا پڑا۔وہ اس کی طرف دیکھ کر مخصوص انداز میں مسکرایا تھا اور اب اس کے قدم اس کی جانب بڑھ رہے تھے۔اتنے دنوں سے اسے موقع ہی نہیں مل رہا تھا کہ وہ اس سے بات کر سکے۔

"میں تمہیں کیوں اگنور کروں گی۔ "اس نے جھٹلانے کی کوشش کی۔مسکسل اس کی نظروں کی تپش محسوس کرتی وہ اپنا رخ پھیر گئی اور دوبارہ سے اپنی نگاہیں لان میں پودوں پر مرکوز کر لی۔لیکن اس کی موجودگی میں وہ پہلے جیسی دلچسپی نہیں رہی تھی۔

"ماما نے کچھ پوچھا تھا تم سے۔ "وہ اب اس سے کچھ فاصلے پر کھڑا تھا۔گہری سانس بھرتے اصل موضوع پر آیا۔

"میں نے اپنا جواب بتایا تھا اب کیا پوچھنا باقی ہے۔ "اسے معلوم تھا وہ یقیناً یہی پوچھنے آیا تھا۔اس کا دل کیا وہ وہاں سے بھاگ جائے تاکہ مزید کسی سوال سے بچا جا سکے۔

"ہمم۔مجھے بتاؤ گی، تمہیں مجھ میں ایسی کونسی برائی نظر آئی کہ تم اس رشتے سے صاف انکار کر دیا۔کیا اتنے دنوں میں تم نے مجھ میں کوئی مثبت چیز نہیں دیکھی۔جاننے کا حق

ہے مجھے۔ ''وہ معنی خیز انداز میں کہتا اس کی جانب ہی دیکھ رہا تھا۔ عنبر جواب کے لیے الفاظ اکٹھا کرنے لگی۔ وہ نہیں چاہتی تھی جو ماضی میں ہوا وہی سب پھر سے دہرایا جائے ۔ معاذ اس سے محبت نہیں کرتا تھا لیکن چچا جی نے اس پر اپنا فیصلہ تھوپنے کی کوشش کی اور اس کے نتیجے میں اسے اپنا بہت کچھ کھو دیا اور اب وہ نہیں چاہتی تھی ابشام کی طرف سے بھی ایسا ہی کچھ ہو۔

''ارے تم یہاں ہو۔ میں کب سے تمہیں ڈھونڈ رہا تھا؟''۔ وہ اس کے بولنے کا انتظار کر رہا تھا پر عمیر کی آواز سن کر دونوں ہی چونکے تھے۔

''کیوں، کیا ہوا؟ ''ابشام کو عمیر کی بے وقت آمد کھلی تھی۔ اس نے پوچھا۔

''آنٹی تمہیں بلا رہی ہیں۔ ''عمیر نے مسکراہٹ کے ساتھ اسے آگاہ کیا تو ابشام نے بھی اس کے طرف دیکھ کر مسکراہٹ اچھالی اور نیچے چلا گیا۔ اس وقت عنبر کو عمیر کا آنا کسی نعمت سے کم نہیں لگا تھا۔ اس نے باقاعدہ شکر ادا کیا پھر کچھ دیر عمیر کے ساتھ وہی کھڑی ادھر اُدھر کی بات کرتی رہی اور اپنے کمرے میں چلی آئی۔

کمرے میں لمپ کی زرد روشنی پھیلی تھی۔ یہ ایک خوبصورت اور جدید طرز کا بیڈ روم تھا ۔ جہاں دیواروں پر ہلکے رنگ کے پردے لگے تھے۔ کمرے کے وسط میں بیڈ رکھا تھا

اور باقی ضرورت کی چیزیں موجود تھیں۔ابشام اپنا پیر پھیلائے کاوچ پر بیٹھا موبائل پر گیم کھیل رہا تھا۔آج اتنے دنوں بعد انیلا بیگم اس کے سر کی مالش کر رہی تھی۔

"ماما۔۔ایک بات پوچھوں؟ "وہ سر اوپر کیے بولا۔

"بولو،بیٹا۔ "وہ اس کی جانب متوجہ ہوئی تھیں۔

"ماما۔۔۔عنبر نے اس شادی سے کیوں انکار کیا ہوگا،خالہ جانی نے کچھ بتایا؟ "آج عمیر نہ آتا تو وہ پتا کر ہی لیتا لیکن اس کی بات ادھوری رہ گئی تھی۔دل میں آئی بات اس نے ان کے سامنے رکھی۔اتنے دنوں بعد بیٹے کے منہ سے اس بات کا ذکر سنا تو وہ تڑپ اٹھیں۔

"نہیں۔۔صفیہ تو خود بھی اس بات کو لے کر کافی پریشان ہے۔ "کچھ توقف کے بعد وہ بولی تھیں۔

"ہمم۔عنبر ایسی کیوں ہیں،میرا مطلب۔۔۔۔۔وہ اس طرح اکھڑی اکھڑی کیوں رہتی ہے۔عمیر سے میری بات ہوئی تھی وہ بتا رہا تھا کہ دونوں کا بچپن شرارتوں میں گزرا۔پھر اتنی تبدیلی کیوں؟ "وہ پوری طرح ان کی جانب مڑ گیا تھا اس نے اپنے اور عمیر کے درمیان ہوئی بات بتائی۔

"وہ ہمیشہ سے ایسی نہیں تھی بیٹا۔ بھائی صاحب کے انتقال کے بعد اس نے ہنسنا بولنا ہی چھوڑ دیا۔ ان کی موت کا بہت گہرا اثر لیا ہے اس نے۔ "انھوں نے افسردہ لہجے میں اسے بتایا۔

"آنکل کی موت کی وجہ تو ہارٹ اٹیک تھی نا۔ آپ نے بتایا تھا مجھے۔ "وہ کچھ سوچتے ہوئے بولا تھا۔ اس کے جواب میں انیلا بیگم نے جو تفصیل بتائی تھی

سن کر اسے عنبر کے انکار کی وجہ سمجھ آنے لگی۔ وہ انھیں آرام کرنے کا کہہ کر اپنے کمرے میں چلا آیا اور سونے سے پہلے اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ ایک بار تو اس حوالے سے عنبر سے ضرور بات کرے گا۔ اگر آج بھی وہ معاذ کو چاہتی ہے تو وہ اس دونوں کے راستے سے خاموشی سے ہٹ جائے گا۔ کیوں کہ اسے عنبر سے محبت تھی۔ جانتا تھا کہ محبت میں پانا ہی سب کچھ نہیں ہوتا۔ محبت میں محبوب کی رضا کا احترام کیا جاتا ہے پھر چاہے آپ کا کشکول خالی ہی کیوں نہ رہ جائے۔ پھر اسے اس کی خوشی عزیز تھی اگر اس کی خوشی معاذ کے ساتھ تھی تو یہی سہی۔

.....

آسیہ بیگم ایک بار پھر معاذ کے لیے عافی کا ہاتھ مانگنا چاہتی تھیں انھیں پورا یقین تھا کہ اس بار معاذ منع نہیں کرے گا کیوں کہ اب تو عنایہ بھی اس کی زندگی سے بہت دور چلی

گئی تھی اور کل رات ہی اس بات کا ذکر انھوں نے عادل صاحب سے بھی کیا تھا جسے سن کر وہ کتنی ہی دیر خاموش بیٹھے رہے پھر کہا تو بس اتنا ہی کہ پہلے معاذ اور صفیہ بھابھی سے پوچھ لے پھر ہی کوئی فیصلہ کرے۔ وہ صفیہ بھابھی سے بات کرنے سے پہلے معاذ سے پوچھنا چاہتی تھیں تبھی اسے اپنے کمرے میں بلایا تھا۔ وہ فریش ہو کر سیدھا ان کے کمرے میں چلا آیا سلام کرتے وہ ان کے قریب بیڈ پر ہی بیٹھ گیا تھا جب انھوں نے معاذ سے عافی کے متعلق بات کی تو اس کی طرف سے جواب نفی میں ہی آیا جسے سن کر انھیں شدید حیران ہوئی۔ چند روز پہلے ہی تائی جان سے اس کی بات ہوئی تھی وہ چاہتی تھیں کہ معاذ عنبر سے بات کر کے اسے ابشام کے ساتھ شادی کرنے پر آمادہ کرے۔ پھر وہ کیسے اپنی ماں کی خواہش پوری کر سکتا تھا اس لیے اس نے سب کچھ انھیں صاف صاف بتا دیا۔

.....

آسیہ بیگم ٹھیک ہو گئیں تو عنبر نے اپنی پیکنگ کر لی۔ ڈنر کے بعد انھیں گھر کے لیے نکلنا تھا۔ جنید نے فون کیا تھا کہ وہ رات میں انھیں لینے آ رہا ہے اور یہ بات گھر کے سبھی لوگ جانتے تھے۔ عمیر چاہتا تھا کہ عافی اور تائی جان یہاں سے نہ جائیں۔ باقیوں کی بھی یہی خواہش تھی لیکن سب عادل صاحب کی وجہ سے خاموش تھے کیوں کہ ابھی

تک انھوں نے اس حوالے سے کوئی بات نہیں کی تھی۔اس کے جانے کا سوچ کر وہ بہت افسردہ تھا۔شام کے ناشتے سے فارغ ہوئی تو وہ صفیہ بیگم کے ساتھ کچن میں چلی آئی تاکہ چچی جان کی مدد کروا سکے۔

اس وقت ڈنر ٹیبل پر ان سب کے ساتھ جنید بھی موجود تھا۔سب اپنی پلیٹ پر جھکے کھانے میں مصروف تھے۔

کھانے سے فارغ ہو کر عادل صاحب اپنی جگہ بیٹھے رہے۔کھانے کے بعد جب عنبر نے کرسی گھسیٹ کر وہاں سے اٹھنا چاہا تو انھوں نے یہ کہہ کر روک دیا کہ وہ بات کرنا چاہتے ہیں اور مجبوراوہ وہیں ٹک کر بیٹھ گئی۔بظاہر وہاں موجود سبھی نفوس کھانے میں مصروف تھے لیکن اس کا دھیان ان کی جانب تھا۔

"عافی بیٹا!" انھوں نے گہری سانس لے کر بات کا آغاز کیا۔ "سب کی خواہش ہے کہ آپ دونوں کہیں نہیں جائیں بلکہ یہیں حسن ویلا میں رہیں۔

میں بھی یہی چاہتا ہوں۔میں جانتا ہوں میں نے ساری زندگی اپنے فیصلے دوسروں پر مسلط کرنے کی کوشش کی۔اپنے آگے کسی کی چلنے نہیں دی لیکن مجھے احساس ہو گیا ہے کہ ہر بار آپ ٹھیک نہیں ہوتے۔جس طرح ہمیں اپنی عزت نفس پیاری ہوتی ہے بالکل اسی طرح دوسروں کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ جب بات اس کی عزت پر آجائے

تو وہ چپ نہ رہے۔ میں کتنا بد قسمت ہوں اپنے باپ جیسے بھائی کی قدر نہیں کر پایا۔۔ ہو سکے تو مجھے معاف کر دو بلکہ بھا بھی میں آپ کا بھی گناہگار ہوں۔ ''وہ بولتے بولتے رو پڑے تھے۔ سامنے ہاتھ جوڑے بیٹھا شخص اس کے باپ کا سگا بھائی تھا جو اس سے اپنی غلطیوں کی معافی مانگ رہا تھا۔ اسے لگا وہ پیشمان میں گھری زمین میں دھنس گئی ہو اس کے آنسو ابل کر اس کے رخسار کو بھیگو رہے تھے۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کے پاس چلی آئی ان کے جڑے ہاتھ کا تھام کر بولی۔

''پلیز آپ مجھے شرمندہ مت کریں چچا جی، میں بابا کا سامنا کیسے کروں گی۔ ''اور پھوٹ پھوٹ کر رو دی ان کے لگ گئی۔ صفیہ بیگم کو خود پر ضبط کرنا مشکل ہو گیا۔ آسیہ بیگم شوہر کو اس حال میں دیکھ کر تڑپ اٹھی تھیں۔ بلکہ وہاں موجود سبھی نفوس حیرانی سے انھیں دیکھ رہے تھے جس میں پہلے والے عادل صاحب کی شائبہ تک نہ تھی۔

آنکھوں سے بہتے آنسوؤں نے رشتوں میں آئی بد گمانی کو دھو دیا تھا۔ انا کی مضبوط دیوار دھڑام کی آواز کے ساتھ گر کر زمین بوس ہوئی تھی اور اپنوں کا پیار بہت صاف اور واضح دکھائی دینے لگا۔ عافی نے انھیں نہ صرف معاف کیا تھا بلکہ وہ اپنی غلطیوں کی معافی مانگی تھی۔ اتنے دنوں بعد اسے لگا جیسے اس کے بابا لوٹ آئے تھے۔ اس دن

وہاں کے مکین پر سکون نیند سوئے تھے۔ نبیل صاحب کی فیملی ایک بار پھر سے حسن ویلا میں آبسی تھی۔ جہاں انھوں نے زندگی کے حسین سال گزارے تھے۔

آج آفس سے واپس آکر معاذ اسے ڈھونڈتا ہوا کچن میں چلا آیا جہاں کھڑی وہ سب کے لیے چائے بنا رہی تھی۔

"کچھ چاہیے تھا؟ "اسے کچن میں دیکھ کر اس نے پوچھا اور چائے کا کپ اس کی طرف بڑھا دیا۔

"کیا تم مجھے اپنا تھوڑا سا وقت دے سکتی ہو؟ "وہ بات کرنے کے لیے الفاظ اکھٹے کر رہا تھا اس نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا اور چائے کی ٹرے لیے کچن سے نکل گئی۔ وہ اس کے پیچھے لاونج میں داخل ہوا تھا جہاں سب کرکٹ میچ دیکھ رہے تھے۔

گھر کی عورتیں بھی اس کا ساتھ دینے کے لیے وہی بیٹھی تھیں البتہ جنید کے ساتھ بیٹھا تابش اونگھ رہا تھا۔ اس نے چائے سرو کر کے اسے گود میں اٹھایا اور سارہ کے پاس اس کے کمرے میں سلا کر باہر آگئی۔

لان میں ٹھنڈی ہواؤں کا راج تھا۔ اس نے جیسے ہی وہاں قدم رکھا ٹھنڈی ہواؤں نے اس کا استقبال کیا۔ اس کے پورے جسم میں کپکپی طاری ہو گئی۔

"عافی! " تبھی اسے معاذ کی آواز سنائی دی۔ وہ لب کاٹتی سوچنے لگی کہ وہ اس سے کیا بات کرنا چاہتا ہے تب تک وہ اس کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

معاذ نے لان میں نصب شدہ سنگی میز کی جانب اشارہ کرتے ہوئے وہاں چل کر بیٹھنے کا کہا تو وہ خاموشی سے اس کی تعاقب میں چلتی وہاں اس کے ساتھ آ کر بیٹھ گئی۔ اس وقت وہ عجیب سی کشمکش میں مبتلا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا جو بات اس سے کرنا چاہتا ہے اس کی شروعات کیسے کرے۔ اس نے گلا کھنکار کر خود کو تیار کیا اور سب سے پہلے اس سے معافی مانگی۔ "مجھے معاف کر دو عافی۔ جو کچھ بھی ہوا اس کے لیے میں شرمندہ ہوں۔" کافی عرصے بعد وہ براستہ اس سے مخاطب ہوا تھا۔

"آپ کی کوئی غلطی نہیں تھی اس میں۔ لیکن جس طرح میں نے آپ کو ٹریٹ کیا وہ واقعی غلط تھا۔ " وہ اس کے بولنے کا انتظار کر رہی تھی اس کے معذرت کرنے پر بے اختیار اس کی منہ سے نکلا تھا۔ اتنے دنوں میں وہ یہ بات اچھے سے جان گئی تھی کہ محبت ہو جانا فطری عمل ہے، دل پر کب کسی کا زور چلا ہے۔ اسے معاذ سے محبت ہوئی تھی اور معاذ کو عنایہ سے۔ لیکن جب اسے پتا چلا عنایہ کی کہیں اور شادی ہو گئی ہے تو اسے معاذ کے لیے بُرا لگا تھا۔ ان سالوں میں وہ اس کے بغیر رہنا سیکھ گئی تھی، محبت ختم نہ سہی

لیکن اسے پانے کی جستجو اس کے اندر سے ختم ہو گئی تھی۔ وہ اس کی خوشی میں خوش رہنا چاہتی تھی۔

"تم پتھر دل بننے کی جیسی بھی اداکاری کر لو میں جانتا تھا اندر سے تمہارا دل موم کی طرح نرم ہے۔ تم نے بابا کو معاف کر دیا تو مجھے بھی کر دوں گی۔ بلکہ اب تک کر دیا ہو گا۔ میں واقعی تمہارا مجرم ہو۔ جو سزا دینا چاہتی ہوں دے سکتی ہو لیکن اب جو بات میں تم سے کرنے جا رہا ہوا سے بڑے تحمل سے سننا عافی۔ "وہ بولتے بولتے رکا تھا۔ عنبر پوری توجہ سے اسے سن رہی تھی۔ اس کی تمہید باندھنے کی وجہ نہ جانتے ہوئے بھی اس نے اتنا ضرور کہا کہ آپ بے فکر ہو کر کہیں جو بھی کہنا ہے۔

"مجھے تم سے محبت تھی اور شاید ہمیشہ رہے گی عافی۔ تم میری واحد کزن ہو جس کے لیے میں نے حساس ہو کر سوچا۔ میں بچپن سے تمہیں صرف ڈانٹتا ہی رہا لیکن اس ڈانٹ کے پیچھے تمہاری لیے فکر شامل تھی۔ میرے لیے تم ہمیشہ وہی چھوٹی سی کزن رہی جس کے آنے سے گھر کا ہر فرد خوشی سے باؤلا ہو گیا تھا۔ اس دن میں نے سوچ لیا تھا میں تمہیں کسی بھی مصیبت میں پھنسنے نہیں دوں گا لیکن انجانے میں میرے ہی غلط قدم سے تمہیں تکلیف پہنچی۔ سچ بتاؤں تو میں اس دن اپنی ہی نظروں میں گر گیا تھا ۔ "وہ سانس لینے کے لیے رکا تھا، عنبر جو اپنی ہتھیلی رگڑ رہی تھی معاذ کے خاموش

ہونے پر اس کے چہرے کو دیکھا تو دیکھتی ہی رہ گئی وہ اب بھی بالکل ویسا ہی تھا۔ حد سے زیادہ سنجیدہ مگر صاف گو۔ بچپن میں جب کبھی اس کی شرارت پر وہ اسے ڈانٹتا تو وہ کمرے میں خود کو بند کر کے خوب روتی تھی۔ عمیر کو جب یہ بات پتا چلتی تو وہ اسے چپ کروانے دوڑا چلا آتا، عمیر ہمیشہ اپنے بھائی کے خلاف جا کر اس کی حمایت کرتا کہ اس نے بالکل ٹھیک کیا ہے حالانکہ وہ جان بوجھ کر اس کے کام بگاڑ دیتی تھی جس کی وجہ سے وہ کبھی اسکول میں تو کبھی چچا جی سے ڈانٹ سنتا تھا اور وقت کے ساتھ یہ چلتا رہا اور وہ بڑے ہو گئے۔ وہ جب میچ دیکھتا یا کوئی دوسرا پروگرام لگا کر بیٹھتا تو عمیر اور اس کی بحث شروع ہو جاتی تاکہ وہ وہاں سے چلا جائے اور دونوں اپنا پسندیدہ پروگرام دیکھ سکیں اور توقع کے عین مطابق وہ ان کی تکرار سے زچ ہو کر ٹی وی بند کر دیتا تھا۔ وہ اسے بہت کم مخاطب کرتا تھا وہ یہ سب اس کی توجہ حاصل کرنے کے لیے کرتی تھی۔ گھر کے باقی افراد ان کے اس رویے کے عادی تھے جانتے تھے معاذ انھیں بے جا نہیں ڈانٹتا تھا۔

"یہ بتاؤ۔ ابشام کیسا لگتا ہے تمہیں؟" وہ کچھ توقف کے بعد بالآخر اصل موضوع پر آیا تھا۔

"کیا مطلب۔۔اس نے کچھ کہا ہے آپ سے؟ "ابشام کے ذکر پر وہ پرانی یادوں سے نکل آئی تھی۔چہرے پر آئی مسکراہٹ پل بھر میں سمٹی تھی۔

"نہیں اس نے تو نہیں لیکن تائی جان بتا رہی تھیں تم نے ابشام کے پروپوزل سے انکار کر دیا۔اس کا مطلب تو یہی ہے نا تم اسے پسند نہیں کرتی یا کوئی اور بات جو تم سب سے چھپا رہی ہو؟ "معاذ نے جاننا چاہا۔پچھلے دنوں تائی جان اور اپنے درمیان ہوئی گفتگو کے دوران اس نے انھیں یقین دلایا تھا کہ وہ اسے راضی کر لے گا اور اس کے دل و دماغ میں کیا چل رہا ہے پتا کر کے انھیں آگاہ کرے گا۔

"مجھے لگتا ہے وہ ماما اور خالہ کے پریشر میں آکر مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے اور میں نہیں چاہتی ماضی ایک بار پھر دہرایا جائے۔ "اس نے دل میں کھٹکتی بات زبان پر لائی تو معاذ پر سکون ہو گیا۔

"تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔وہ اپنی مرضی سے اپنانا چاہتا ہے تمہیں۔شاید محبت کا معاملہ ہے۔ "آخری جملہ کہہ کر وہ ہنستے ہوئے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔عنبر بے یقینی سے اس کی جانب دیکھنے لگی۔وہ یہ سن کر گنگ تھی۔

"تمہارے پاس وقت ہے، سوچ کر بتا دینا تائی جان کو۔وہ تمہارے لیے کافی پریشان ہیں عافی۔اب اندر چلو ورنہ بیمار پڑ جاؤ گی۔ "

ہوا میں خنکی بڑھنے لگی تھی۔ تیز ہوتی ہوا سے ان کے بال اڑ رہے تھے۔ گہری سانس بھرتے ہوئے وہاں سے اندر کی طرف بڑھتے اس نے اسے مفت مشورہ دیا۔ وہ بھی اس کی تائید میں چلتی کچن میں آ گئی تھی

سارے کام نمٹا کر ڈنر ٹیبل پر خاموشی کے ساتھ ڈنر کرتے ہوئے بھی اس نے معاذ کی بات پر سوچا تھا اور اپنی ماما اور چچی جان کو دوائی دے کر اپنے کمرے میں چلی آئی اب اسے حتمی فیصلہ کرنا تھا۔

دوسرے روز ناشتہ کے بعد جب سارے مرد آفس چلے گئے تو اس نے صفیہ بیگم کو بتایا کہ وہ شادی کے لیے تیار ہے۔ رات بھر اس بارے میں سوچ بچار کے بعد بھی اسے انکار کرنے کا کوئی جواز نظر نہیں آیا تھا۔ یہ خبر سن کر سبھی گھر والے بے حد خوش تھے صفیہ بیگم نے عادل صاحب اور باقی گھر والوں کے ساتھ مل کر اسی ہفتے ان دونوں کا نکاح کر دینے کا سوچا تھا۔ پہلے وہ بدر فیملی سے بات کر لینا چاہتی تھی کہ انھیں کوئی اعتراض تو نہیں۔ اس لیے انھیں فون کر کے ساری صورتحال سے آگاہ کر دیا۔

رات کے کھانے پر انیلا بیگم نے جب اس حوالے سے بات کی تو بدر صاحب نے فوراً حامی بھر لی، انھیں بیٹے کی خوشی عزیز تھی البتہ ابشام ضرور چونکا تھا۔

"ماما۔یہ آپ کو کس نے۔۔۔میرا مطلب عنبر تو؟ "ابشام کو سمجھ نہیں آرہا تھا کہ اچانک یہ سب کیسے ہوا۔کچھ دن پہلے تک تو عنبر اس شادی کے حق میں ہی نہیں تھی ۔ "اس نے ماں سے استفسار کیا۔

"صفیہ کا فون آیا تھا وہ بتا رہی تھی وہ لوگ اس ہفتے تم دونوں کے نکاح کی ایک چھوٹی سی تقریب رکھنا چاہتے ہیں۔وہ لوگ ہماری رائے جاننا چاہتے تھے۔میں نے تو کہہ دیا ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ "انھوں نے بتایا تو ابشام نے مزید کوئی سوال نہیں کیا۔

وہ اسی دن عنبر سے مل کر بات کرنا چاہتا تھا لیکن اس کی ماما نے اسے حسن ویلا جانے سے یہ کہہ کر روک لیا تھا کہ عادل صاحب مزاج کے تھوڑے سخت ہیں۔بڑی مشکل سے ان دونوں فیملی کے درمیان سب کچھ ٹھیک ہوا تھا۔اس لیے وہ نکاح سے پہلے وہاں نہ جائے تو اچھا ہے۔کہیں وہ اس بات کا بُرا ہی نہ مان جائیں۔اور مجبوراً اسے نے اپنا ارادہ ترک کرنا پڑا اور بے صبری سے انتظار کرنے لگا۔لیکن شادی کی خریداری میں یہ وقت کیسے گزر گیا پتا ہی نہیں چلا اور وہ دن آن پہنچا جب وہ اپنی محبت کو اپنی منکوحہ کے روپ میں دیکھنے والا تھا۔آج شام وہ لوگ حسن ویلا کے لیے نکلنے والے تھے۔انیلا بیگم صبح سے سب کے سر پر کھڑی بار بار انھیں یاد دلا رہی تھیں کہ کہیں کچھ کمی نہ رہ جائے۔

دوسری طرف حسن ویلا میں ایک بار پھر سے خوشی کے شادیانے بج رہے تھے۔ پچھلی تقریب کسی کو نہیں بھولی تھی جب انھیں سب کے سامنے شرمندہ ہونا پڑا تھا۔ لیکن انھوں نے نئی آنے والی خوشی کی تیاری میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ جنید کے ساتھ معاذ اور عمیر سارے کام دیکھ رہے تھے۔ صفیہ بیگم انھیں بھاگم بھاگ کام کرتے دیکھ کر خوش ہو رہی تھیں۔ وہ تو چاہتی تھیں پہلے معاذ کی شادی ہو لیکن معاذ خود بھی چاہتا تھا کہ پہلے عنبر کی شادی کر دی جائے کیوں کہ وہ ابھی اس کے لیے یہ نٹیلی تیار نہیں تھا۔ پھر کہیں نہ کہیں انھیں یہ بھی ڈر تھا کہ عنبر بعد میں اس فیصلے سے مکر ہی نہ جائے اس لیے آج گھر میں نکاح کی تقریب رکھی تھی۔ رخصتی میں انھوں نے تاخیر کا سوچا تھا تاکہ اس دوران دونوں بچوں میں ہم آہنگی ہو جائے۔

بیوٹیشن ابھی ابھی اس کا میک اپ کر کے گئی تھی۔ مہارت سے کیے گئے میک اپ اور ہلکے گلابی رنگ کا کامدانی لہنگا پہنے وہ بے حد حسین لگ رہی تھی۔

اس وقت نرمین اور سارہ اس کے ساتھ کمرے میں تھیں۔ نرمین اس کی مختلف پوز میں تصویر بنا رہی تھی اور اب تک وہ پوز دے کر تنگ آ چکی تھی۔

تبھی صفیہ بیگم نے آکر خالہ کی فیملی کے آنے کی خبر دی تو اس نے شکر ادا کیا۔ کچھ ہی دیر میں قاضی صاحب بھی آ گئے تھے۔ نکاح کے وقت ہر لڑکی کی طرح اس کی آنکھیں بھی بھر آئی تھیں۔

نکاح ہوتے ہی مبارکباد دینے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ دوسری طرف ابشام سب مردوں کے درمیان بیٹھا تھا۔ عمیر، جنید، اس کے بابا اور عادل صاحب کے ساتھ ان کے کچھ جاننے والے وہیں بیٹھے گفتگو میں مصروف تھے۔ اس نے سفید شلوار شوٹ کے ساتھ مہرون ہاف کوٹ پہن رکھی تھی۔ اپنی محبت کو پا لینے کی خوشی اس کے چہرے سے جھلک رہی تھی۔ آج اتنے دنوں بعد وہ عنبر سے ملنے والا تھا۔ سب کی نظروں سے بچ بچا کر وہ جلدی سے عنبر سے جا کر مل لینا چاہتا تھا ورنہ مہمانوں سے بھرے گھر میں اسے دیکھ کر ہر کوئی اسے نکاح کی مبارک باد ہی دے رہا تھا۔ اس لیے موقع دیکھتے ہی وہ وہاں سے اٹھ گیا

ابھی اس کے قدم تیزی سے عنبر کے کمرے کی جانب اٹھ رہے تھے سیڑھیوں سے اوپر جاتے ہوئے وہ معاذ سے بُری طرح ٹکرایا تھا۔

"دھیان سے۔۔۔ "معاذ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے گرنے سے بچایا تھا۔

"سوری معاذ بھائی! "ابشام اپنی بے دھیانی کے باعث شرمندہ سا ہو کر بولا۔

''اٹ اوکے۔تم یہاں؟''

اسے جواب کی تلاش میں سر گرداں دیکھ کر وہ سمجھ گیا تھا وہ عنبر سے ملنے جا رہا تھا۔اس کی حالت دیکھ کر بمشکل اپنی ہنسی روکتے ہوئے کمرے کی جانب اشارہ کر کے بتایا۔

''اپنے کمرے میں ہی وہ۔ ''

ابشام نے خجل سا بالوں پر ہاتھ پھیر کر اس کا شکر ادا کرنے کے بعد وہاں پہنچ کر دروازے پر دستک دی۔جب کافی دیر کھڑے رہنے کے باوجود بھی کسی نے جواب نہیں دیا تو وہ دروازہ دھکیلتا اندر چلا آیا۔کمرہ خالی تھا۔پورے کمرے میں طاہرانہ نگاہ ڈالنے کے بعد وہ اسے کہیں نظر نہ آئی تھی۔اسے قدرے مایوسی ہوئی۔واپس جانے کا ارادہ کیے وہ پلٹا ہی تھا تبھی کھٹ کی آواز کے ساتھ واش روم دروازہ کھلا اور وہ اپنے ایک ہاتھ سے لہنگا سنبھالے اور دوسرے ہاتھ سے کپڑے کو جھاڑتے ہوئے باہر نکلی۔نرمین اسے جوس کا گلاس دے گئی تھی جو ہاتھ لگ جانے کی وجہ سے اس کے کپڑے پر گر گیا تھا پانی سے صاف کرنے کے باوجود بھی داغ رہ گیا تھا۔اسے دیکھ کر ابشام کے چہرے پر یک دم مسکراہٹ پھیل گئی۔

"بہت خوبصورت لگ رہی ہو مسز عنبر ابشام۔ "حسین سر اپے کے ساتھ وہ سیدھا اس کے دل میں اتر رہی تھی جب کہ اس کی موجودگی سے لاعلم عنبر اپنی تعریف سن کر چونک کر سیدھی ہوئی۔

"مجھے لگا تھا تمہاری طرف سے مجھے مایوس ہو جانا چاہیے۔پر یوں اچانک تم نے ہاں کر دی، حیرت ہے۔ "کچھ دیر دونوں کے درمیان خاموشی حائل رہی پھر اس نے ہی اسے توڑا۔

"کیوں تمہیں خوشی نہیں ہوئی؟ "عنبر پر پوچھا۔

"سچ بتاؤں تو آج مجھے اپنی قسمت پر رشک ہو رہا ہے۔"

وہ بولتے ہوئے دو قدم آگے آیا،اس کی بات سن کر عنبر دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ نظریں جھکا گئی تھی۔معاذ کی محبت شاید اس کے لیے تھی ہی نہیں تبھی تو وہ چاہ کر بھی اس کا نہیں ہو سکا تھا۔اور جسے قدرت نے اس کے لیے چنا تھا وہ اس کے سامنے کھڑا اپنی خوش قسمتی کی داستان سنا رہا تھا۔اسے دیکھ کر ابشام کے لیے اس پر سے نظریں ہٹانا مشکل ہو گیا تھا۔عنبر وہاں سے جانے کے لیے آگے بڑھی تو اس نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"رکو! "اس نے کہا اور وہ رک گئی۔

"ہمیشہ مسکراتی رہا کرو، اچھی لگتی ہو۔ "اس نے تعریف کی تھی یا فرمائش وہ سمجھ نہیں پائی۔

"ٹھیک ہے۔اب جاو۔ "اسے احساس ہوا کہ وہ کافی دیر سے اس ساتھ اس کمرے میں موجود تھا۔

"کیوں۔۔۔اتنی مشکل سے تم نے اپنا یہ روپ بدلا ہے۔کیا پتا کل کو تمہارا موڈ ہی بدل جائے۔ "وہ شرارتی انداز میں بولا تو عنبر نے اسے گھوری سے نوازا۔

"جا رہے ہو یا چچا جی کو بلاؤں۔"اور ساتھ دھمکی بھی دے ڈالی۔

"ٹھیک ہے بابا۔۔۔جا رہا ہوں، پر میں روز ملنے آؤں گا ؟ "جاتے جاتے اس نے کہا۔

"کیوں، ڈرائیونگ سیکھانے؟ "دونوں کا قہقہہ اس ساتھ بلند ہوا تھا۔ان کی ہنسی پوری آب وتاب سے فضا کو معطر کر گئی تھی۔محبت کی اس اسیری میں دونوں کی قسمت ایک ساتھ جڑی تو محبت نے جھک کر ان کا خیر مقدم کیا تھا۔

چاہت کے تم متوالے ہو،

رم جھم ہو، یا ژالے ہو

ہو تیرندی یا آبشار ہو کوئی

کیا قوس قزاح سے نرالے ہو؟

دن رات جسے کوئی پڑھتا رہے

ایسے دلچسپ رسالے ہو

بوند بوند میں یکجا کر کے تم کو

عطر سی خوشبو پا جاؤں

میں یاد ترنم بن کر

یونہی من کے در پہ سما جاؤں

تم افق پہ ٹنگے

چاند کے گرد

دلربا سے ہالے ہو

جگنو بن کر اندھیروں میں

روشن جو جزیرہ کرتا ہے

کوئی گم گشتہ رہ یاد ہو تم

یادل میں بسی

وطر ہو تم

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

جسے رشک ہو اپنی قسمت پر

وہ خوش کن سی تقدیر ہو تم

ان آنکھوں میں جو سجا رہا

اُس خواب کی

تعبیر ہو تم

یارِ مزِ محبت میں

میرے اسیر ہو تم

از ثمرین شاہد

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

****

❤ ختم شدہ ❤

ہماری ویب میں شایع ہونے والے ناولز کے تمام جملہ و حقوق بمعہ مصنفہ کے نام محفوظ ہیں۔

ہمیں اپنی ویب نیو ایرا میگزین(New Era Magazine)کیلئے لکھاریوں کی ضرورت ہے۔اگر آپ ہماری ویب پر اپنا ناول،ناولٹ،افسانہ،کالم،آرٹیکل،شاعری،پوسٹ کروانا چاہیں تو اردو میں ٹائپ کر کے مندرجہ ذیل ذرائع کا استعمال کرتے ہوئے ہمیں بھیج سکتے ہیں۔

(Neramag@gmail.com)

(انشااللہ آپ کی تحریر ایک ہفتے کے اندر اندر ویب پر پوسٹ کر دی جائے گی۔مزید تفصیلات کیلئے اوپر دیئے گئے رابطے کے ذرائع کا استعمال کر سکتے ہیں۔

شکریہ ادارہ: نیو ایرا میگزین